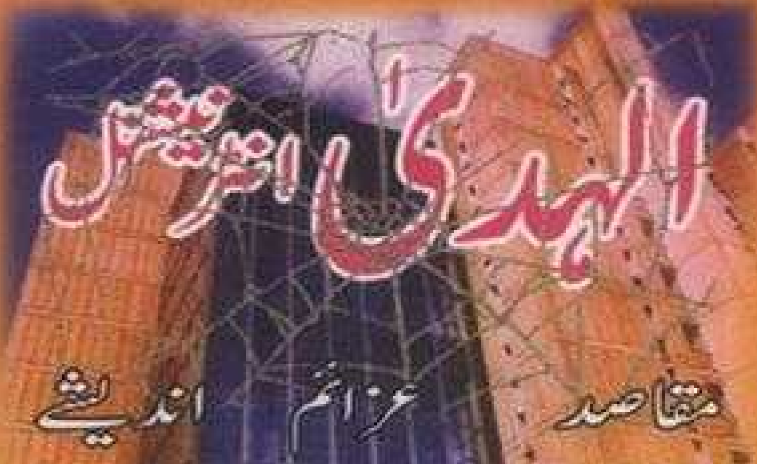




مغربی جدت پسندی

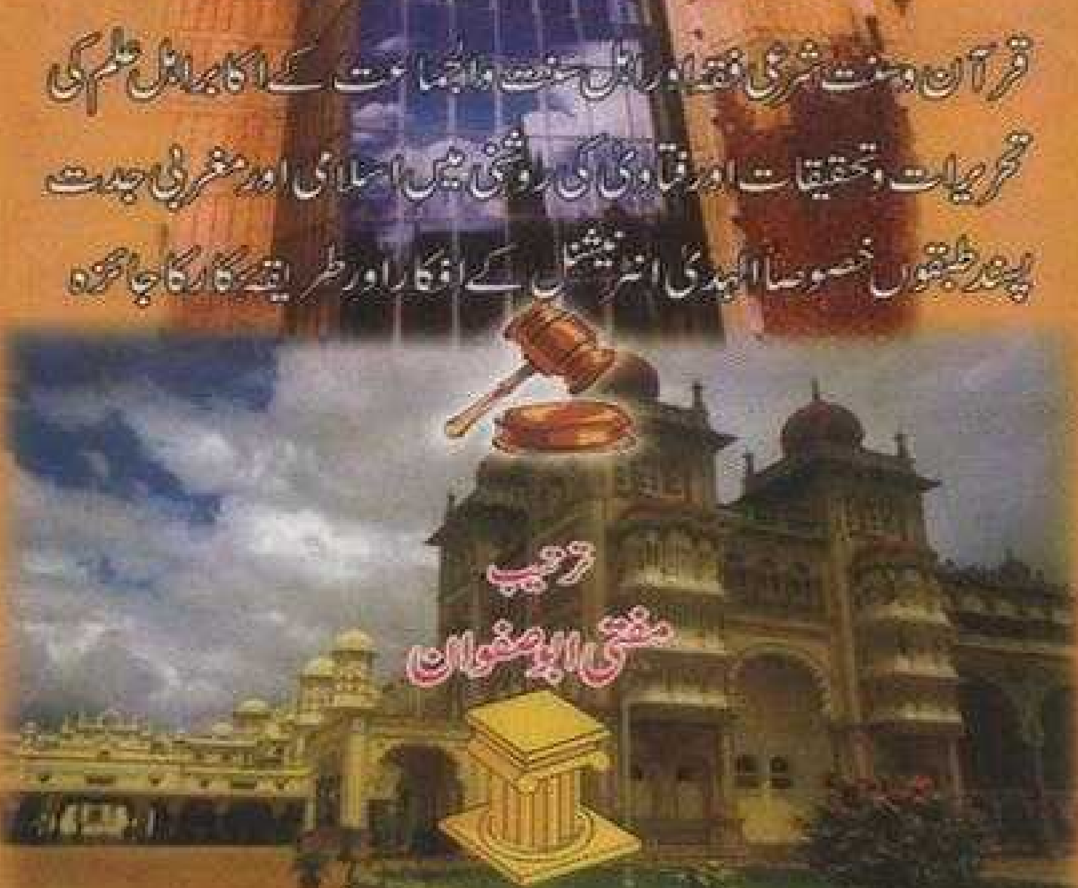
اور



الہدیٰ انٹرنیشنل

مقاصد عزائم اندیشے

قرآن وسنت شرعی فقہ اور اہل سنت والجماعت کے اکابر اہل علم کی تحریرات وتحقیقات اور فتاویٰ کی روشنی میں اسلامی اور مغربی جدت پسند طبقوں خصوصاً الہدیٰ انٹرنیشنل کے افکار اور طریقہ کار کا جائزہ



ترتیب
مفتی ابو صفوان

یکے از مطبوعات: جمہور اہل سنت والجماعت۔ پاکستان

مغربی جِدَّت پسندی

اور

الہدیٰ انٹرنیشنل

جدید نام
النور انٹرنیشنل

مقاصد عزائم اندیشے

قرآن وسنت شرعی فقہ اور اہل سنت والجماعت کے اکابر اہل علم کی تحریرات وتحقیقات اور فتاویٰ کی روشنی میں اسلامی اور مغربی جدت پسند طبقوں خصوصاً الہدیٰ انٹرنیشنل کے افکار اور طریقۂ کار کا جائزہ



ترتیب
مفتی ابوصفوان



یکے از مطبوعات: جمہور اہل سنت والجماعت۔ پاکستان

نام کتاب	مغربی جدت پسندی اور الہدیٰ انٹرنیشنل
ترتیب:	مفتی ابوصفوان
صفحات	124
قیمت:	

☆......ملنے کے پتے......☆

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

ادارہ اسلامیات: انارکلی، لاہور۔7353255

ادارہ اسلامیات: کراچی موہن روڈ چوک اردو بازار کراچی۔7722401

مکتبہ قاسمیہ: اردو بازار لاہور۔

مکتبہ رشیدیہ: مین بازار، مرغز، ضلع صوابی فون۔8150048

مکتبہ سید احمد شہید: الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7228272

مکتبہ شہید اسلام، لال مسجد اسلام آباد۔

کتب خانہ ادارہ غفران: راولپنڈی۔فون۔5507530

بک لینڈ: سٹی پلازہ لیاقتؒ باغ۔راولپنڈی

کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی فون۔5771798

کتب خانہ: جامعہ فریدیہ E-7 اسلام آباد۔2273313

فہرست

تعارف وتبصرہ

(مولانا امجد حسین آزاد)

زیرِ نظر کتاب مفتی ابوصفوان صاحب کی مرتب کردہ ہے، اس میں موضوعِ سخن دورِ حاضر میں امتِ مسلمہ کو درپیش وہ المیہ ہے جس سے اس وقت پوری امت دوچار ہے یعنی شرعی احکام کو جدت پسندی اور مغربیت کے سانچے میں ڈھالنا، اور اباحیت پرستی کو شریعت کا لبادہ اوڑھا کر پیش کرنا تاکہ سادہ لوح مسلمان اس دام ہمرنگِ زمین کا شکار ہو کر راسخ الاعتقادی اور ایمان کامل کی دولت سے محروم ہو کر تذبذب وانتشار میں مبتلا ہو جائیں۔

یوں تو ابتدائے اسلام ہی سے یہود ونصاریٰ مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ایمان سے محروم کر کے دوبارہ کفر میں داخل کرنے کے درپے ہو گئے تھے جس کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا (سورہ بقرہ)

ترجمہ: چاہتے ہیں بہت سے اہلِ کتاب کہ کسی طرح تمہیں پھیر کر مسلمان ہونے کے بعد کافر بنادیں (سورہ بقرہ)

اور ہر زمانے میں برابر ان کا یہی وطیرہ رہا، تا آنکہ اٹھارہویں صدی میں یورپ (مغرب) صنعتی انقلاب کے دور میں داخل ہوا اور یورپ کی استعماری قوتوں کے دل ودماغ میں جہانبانی کے خیالات انگڑائیاں لینے لگے، تب انہوں نے استبدادی ہتھکنڈوں کو اپنا کر وسائل کی فراوانی کے ذریعے مکروعیاری کے زور پر انسانیت کے امن وچین کو تاخت وتاراج کرتے ہوئے دنیا کو اپنی غارتگری کا نشانہ بنایا، اور ہر جگہ اپنی نوآبادیاں قائم کیں، ان استبدادی قوتوں کا سرغنہ برطانیہ عظمیٰ (برٹش ایمپائر) تھا ان کی استبدادیت کا نشانہ برصغیر کا خطہ بھی بنا، جہاں انہوں نے

مکر و نفاق کے بل بوتے پر مسلمانوں سے تاج و تخت چھینا، میدان میں مسلمانوں کو چت کرنے کے بعد اپنے اقتدار اور طاغوتی نظام کو دوام و استحکام بخشنے کے لئے ان بدیسی حکمرانوں نے محکوم قوم کو ذہنی غلام بنانے کو بھی ناگزیر سمجھا کیونکہ اصل غلامی ذہنی غلامی ہی ہوتی ہے ورنہ حریت پسند اور آزاد قومیں طاقت کے بل بوتے پر زیادہ دن غلام نہیں رہا کرتیں۔ اس کے لئے انہوں نے جہاں سامراجی مقاصد سے ہم آہنگ عصری تعلیمی ادارے قائم کئے (جیسے ہند میں لارڈ میکالے کا نظامِ تعلیم) تو وہاں مذہبی انتشار پھیلانے کے لئے پادریوں اور مستشرقین کا جال بھی پھیلایا، جس سے انہوں نے کافی کچھ مقاصد حاصل کئے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ علماءِ اسلام کے تعاقب و تعارض کی وجہ سے مستشرقین کے حربے غیر موثر ہوتے گئے اور ان کی قلعی کھلتی گئی اور پھر آخر یہ مستشرقین عام طور پر تھے بھی غیر مسلم، جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کا ان کے جھانسے میں آنا خواب ہی رہا، لہٰذا ان پرانے شکاریوں نے یہ نیا جال کچھ عرصہ سے پھیلایا ہے کہ خود اسلام کے فرزندوں کے قالب میں اپنا قلب ڈال کر اپنا مشن ان سے پورا کرایا جائے اور احکامِ اسلام پر کھلم کھلا حملہ کرنے کے بجائے ان میں تجدید، اور تغیر پذیر زمانے میں ان کی نئی تشریح و توضیح کے چور دروازے سے اس میں تحریف کی جائے، مستشرقین نے اپنے طریقہ واردات میں ایک خاص حربہ یہ بھی رکھا تھا کہ اکثر مستشرقین اپنی تحریروں میں زہر کی ایک مناسب مقدار رکھتے اور اس کا اہتمام کرتے کہ وہ ایک خاص تناسب سے بڑھنے نہ پائے اور پڑھنے والے کو متنفر اور بدگمان نہ کردے مثلاً وہ اکثر ایک برائی بیان کرتے ہیں اور اس کو دماغوں میں بٹھانے کے لئے بڑی فیاضی اور چالاکی کے ساتھ دس خوبیاں بیان کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والے کا ذہن ان کے انصاف، وسعتِ قلبی اور بے تعصبی سے مرعوب ہو کر اس ایک برائی کو (جو تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے) قبول کرلے، وہ کسی شخصیت یا دعوت کے ماحول، تاریخی پس منظر، قدرتی و طبعی عوامل اور محرکات کا نقشہ ایسی خوبصورتی اور عالمانہ انداز سے کھینچتے ہیں کہ ذہن اس کو قبول کرتا چلا جاتا ہے، حالانکہ طبعی عوامل اور اس دعوت یا شخصیت میں یہ ارتباط اور تطبیق ان مستشرقین کے اپنے خیالات کا نتیجہ اور ان کی خانہ ساز اختراع ہوتی ہے۔ مستشرقین کی تاریخ اور ان کے طریقہ واردات پر اہل علم نے مستقل مضامین اور کتابیں لکھی ہیں۔

مستشرقین کی اسی عیاری کا نتیجہ ہے کہ ان کی یہ تحریریں زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہیں اور ایک متوسط آدمی کا ان کی زد سے بچ کر نکل جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اب ان دانایانِ فرنگ (مستشرقین) نے پینترا بدل کر خود اسلام کے فرزندوں کو تربیت دے کر جدت پسندی کے نام پر جب اپنا مشن سونپا تو اس میں بھی معمولی تغیر کے ساتھ یہی طریقۂ واردات رکھا، لہٰذا وہ جن افراد کو تیار کر کے اسلامی ملکوں میں بطور خاص بھیجتے ہیں وہ اسلام کی ننانوے باتوں کا خول چڑھا کر اس میں ایک کفریہ پہلو شامل کر دیتے ہیں گویا کہ شہد کی ڈبیہ میں زہر کی ایک مخصوص مقدار شامل کر دیتے ہیں جو اس شہد کے تمام اجزاء میں سرایت کر جائے۔ اور پھر وہ انہی ننانوے باتوں کو سامنے رکھ کر معاشرے میں اپنا اعتماد اور رسوخ پیدا کر کے پاؤں جماتے ہیں، لیکن اس پورے مرحلہ میں اباحت اور تجدد کے زہر میں بجھی ہوئی ان کی مخصوص ذہنیت اور ان کا مزاج اندر ہی اندر کام کرتا ہے جو ان سے استفادہ اور خوشہ چینی کرنے والوں کی طرف غیر شعوری طور پر منتقل ہو جاتا ہے۔ اور وہ ذہنی طور پر ان کی ہر قسم کی بات، خیالات و نظریات کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اس مرحلہ پر پہنچ کر ان کا مشن اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ کہ ان کا مخاطب تجدد اور اصلاح و ترقی کے نام پر احکامِ شرع میں ان کی کتر بیونت اور اسلام کی بنیادوں پر ان کی تیشہ زنی کو بلا تکلف اور بلا تحیر و تعجب قبول کر لیتا ہے۔ اور ان کے رنگ میں رنگتا چلا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں عام طور پر اس کے دل و دماغ کا سانچہ ہی تبدیل ہو جاتا ہے، فکر و نظر کے پیمانے بدل جاتے ہیں، ایمان و یقین کی چولیں ہل جاتی ہیں، راسخ الاعتقادی اور ٹھیٹھ دینداری کی جگہ ڈھیلی ڈھالی مذہبیت لے لیتی ہے ایک ایسی مذہبیت جو موم کی ناک کی طرح ہوتی ہے کہ آدمی جس طرف چاہے اپنی نفسانیت سے اسے موڑ لے، حالانکہ اس ذہنیت، مزاج اور طرزِ عمل کو قرآن مجید میں گمراہی اور بددینی کی ایسی بدترین شکل قرار دیا ہے، جس کی بدولت آدمی آہستہ آہستہ قبولیتِ حق کی استعداد ہی سے محروم ہو جاتا ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً (سورہ جاثیہ پ ۲۵)

ترجمہ: آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفسانی کو

بنا رکھا ہے (جو دل میں آتا ہے اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے) اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے، اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے (یعنی نفس پرستی کی بدولت قبولِ حق کی صلاحیت نہایت کمزور ہو گئی) (معارف القرآن)

مستشرقین کو اپنے تیار کردہ ان جدت طرازوں سے مسلمانوں میں اس قسم کی سوسائٹی کی تشکیل ہی مقصود ہے جو اسلام کے نام پر ایسے مسخ شدہ دین کی حامل ہو جو نہ روح میں حرارت و بالیدگی پیدا کر سکے اور نہ ایمان میں سوز و تپش پیدا کر سکے۔ ہائے! امت کی حرماں نصیبی کہ طاغوت اسلام کے نام نہاد فرزندوں کے ہی ہاتھوں اسلام کی دھجیاں بکھیرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے بخیے ادھیڑنا چاہتا ہے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشہ کن کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

مسلمان مغربی مستشرقین کے ان مشرقی مستغربین (جدت پسند) کے بانٹے ہوئے زہر کو تریاق سمجھ کر نوشِ جاں کر رہے ہیں اور آبِ حیات جان کر اس میں حیاتِ جاوید ڈھونڈ رہے ہیں۔

فَیَاحَسْرَتَا! وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِکَ اَمْ حِمَارٌ [1]

چوں شود وقت صبح شود ہمچو روز ت عیاں کہ با کہ باختہ ای عشق در شب دیجور [2]

دین فہمی کے لئے ان مغرب پلٹ جدت پسندوں کو مقتداء بنانے سے تو یہ نتیجہ نکلے گا

؎ ترسم اے اعرابی کہ بکعبہ نہ رسی باین را کہ تو میروی بتر کستان است [3]

جدت پسندی کے جن نقشوں اور جن شکلوں کی اس کتاب میں نشاندہی کی گئی ہے مذکورہ تمہید کو ذہن میں رکھنے کے بعد ان کی تہہ تک پہونچنا آسان ہوگا۔ زیرِ نظر کتاب میں محققین اکابر اہلِ علم حضرات

---

[1] ترجمہ: عنقریب جب غبار چھٹے گا تو تو جان لے گا کہ تو گدھے پر سوار ہے یا گھوڑے کا شہسوار ہے۔

[2] ترجمہ: صبح کے وقت تجھ پر روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اندھیری رات میں کس سے عشق لڑا رہا (حور سے یا چڑیل سے؟)

[3] ترجمہ: اے گنوار شخص! مجھے خدشہ ہے کہ تو کعبہ نہ پہنچ سکے گا کہ جو راستہ تو نے اختیار کیا ہے یہ (کعبہ کی مخالف سمت) ترکستان کو جا رہا ہے۔

کی تحقیق اور تجربے کی روشنی میں وہ تجزیے، تحریرات اور فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں جو انہوں نے ماڈرن ازم (Modernism) کے متعلق اور تجدد پسندوں کے افکار و خیالات اور دینی نظریات کے متعلق بیان فرمائے ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی الہدیٰ انٹرنیشنل نامی ادارہ ہے، جس کی مرکزی انچارج ایک ایسی خاتون ہیں جو دیارِ کفر کی ایک دانش گاہ (یونیورسٹی) سے نام نہاد اسلامی علوم میں پی ایچ ڈی کر چکی ہیں۔ اور جدت پسند طبقہ ان کو علامۃ الدھر سے کم خیال نہیں کرتا۔

غیر مسلم ممالک کی ان یونیورسٹیوں میں علومِ اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کرانے کے نگران وہی مستشرقین (Orientalist) ہوتے ہیں جن کا ابھی اوپر ذکر ہوا، کہ ان کے اسلامی علوم میں وسیع مطالعہ کی بنیاد ہی یہ ہوتی ہے کہ احکامِ اسلام اور اکابرینِ اسلام کی اسلامی خدمات کو تنقیدی طور پر دوربینی بلکہ خوردبینی نظر سے دیکھا جائے اور رائی کا پربت بنا کر دوسروں کو دکھایا جائے تاکہ امتِ مسلمہ میں تشکیک و افتراق پیدا کیا جائے غیر اسلامی یا کفریہ عقائد و اعمال کو اسلامی جامہ پہنا کر عوام الناس میں قرآن و حدیث کے نام پر رائج کیا جائے۔ اور سلفِ صالحین بلکہ چودہ سو سال کے مسلمہ اصولوں کو غلط ظاہر کیا جائے، چنانچہ موصوفہ نے الہدیٰ کے پلیٹ فارم سے وہی کام شروع کر رکھا ہے جو مستشرقین کا پرانا طریقۂ واردات ہے کہ مختلف اجماعی و اتفاقی مسائل جن پر ہمیشہ سے امت کا اجماع چلا آ رہا ہے۔ ان پر قرآن و حدیث کو توڑ موڑ کر تشکیک و افتراق کے ہتھوڑے برسانا۔

مستشرقین کا تعلق تو ہے ہی ان یہود و نصاریٰ سے کہ اسلام دشمنی جن کی خمیر میں گندھی ہوئی ہے۔ مگر زیادہ افسوس ان نام نہاد تجدد پسند طبقہ پر ہے جو دوستی کا روپ بھر کر دشمنی کرتے ہیں اور مسلمان ہونے کے دعویدار ہو کر اسلام کی بنیادوں پر تیشے چلا رہے ہیں۔

من ہر گز نہ نالم از بیگانگاں   کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

امید ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے امتِ مسلمہ کی اس زہر سے حفاظت ہوگی۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ تجدد پسند افراد کے تمام عقائد و نظریات یکساں نہیں ہیں بلکہ ان میں بھی باہم کئی چیزوں میں اختلاف ہے۔ اس اصول کو ذہن میں رکھ کر کتاب کا مطالعہ زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ فقط: داعی الی الخیر۔ امجد حسین آزاد

مفتی ابوصفوان

جدت پسندی اور اس کی تباہ کاریاں

اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک میں ایک ذہنی کشمکش اور ایک ذہنی مقابلہ برپا ہے، جس کو ہم اسلامی افکار و اقدار اور مغربی افکار و اقدار کی کشمکش یا معرکہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، ان مسلم ملکوں کی پرانی تاریخ، مسلم اقوام کی اسلام سے گہری وابستگی اور محبت اور جس نام پر جنگِ آزادی لڑی اور جیتی گئی یا جس طاقت کے سہارے ان ملکوں کی آزادی کی حفاظت کی گئی، سب کا دعویٰ ہے کہ اس سرزمین پر صرف اسلامی افکار و اقدار کا حق ہے، اور یہاں صرف اس طرزِ زندگی کی پیروی جائز ہے، جس کی اسلام نے دعوت دی ہے۔

لیکن اس کے برعکس جس جدت پسند طبقہ کے ہاتھ میں اس وقت اکثر مسلمان ممالک کے اقتدار کی باگ ودوڑ ہے، اس کی ذہنی ساخت، اس کی تعلیم و تربیت اور اس کی ذاتی و سیاسی سوچوں اور مصلحتوں کا تقاضا ہے کہ مغربی افکار و اقدار اور طور و طریقوں کو فروغ دیا جائے، اور اپنے ملکوں کو مغربی ملکوں کے نقشِ قدم پر چلایا جائے، اور جو دینی تصورات، قومی عادات، ضوابطِ حیات اور قوانین و روایات اس مقصد میں رُکاوٹ بنیں، اِن میں ترمیم و تنسیخ کی جائے، اور مختصراً یہ کہ ملک و معاشرہ کو دھیرے دھیرے ''مغربیت'' کے سانچے میں ڈھال لیا جائے، یہی وہ جدت پسند یا اہلِ تجدد کا طبقہ ہے جو کبھی ماڈرن اور جدید اسلام کے نام سے اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو کبھی اسلام کی نئی تعبیر کے نام سے عوام کے ذہنوں کو مسحور کرنے کا منصوبہ بناتا ہے اور کبھی اسلامائزیشن کا نعرہ لگا کر سیکولرزم کو فروغ دینے کی ناپاک جسارت کرتا ہے اور کبھی وقت کے تقاضوں کو بنیاد بنا کر جعل سازی سے کام لیتا ہے اور کبھی اس پر روشن خیالی اور ترقی پسندی کا لیبل لگا کر عوام کے سامنے آتا ہے اور اپنے باطل افکار و نظریات کے مقابلہ میں آنے والوں کو انتہاء پسند، بنیاد پرست، دقیانوس، وقت کے تقاضوں سے ناواقف، اور دنیا کو ساتھ لے کر نہ چلنے کا طعنہ دے کر اپنی مکاریوں اور عیاریوں کو چار چاند لگاتا ہے۔

دراصل مغربی اور لارڈ میکالے کے تعلیمی نظام کے تیزاب نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ

کے ذہنوں کو اتنا بدل دیا کہ اسلام اپنی صحیح شکل وصورت میں نہ اُن کے جدید ذہن میں فٹ ہوسکتا ہے، اور نہ یہ لوگ عام اسلامی معاشرہ میں فٹ ہوتے ہیں، بقول علامہ اقبال ؎

فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی

ماڈرن ازم (Modernism) اور مغربی ذہنیت رکھنے والے جدت پسند طبقہ کو مذہب کے ایک پرائیویٹ معاملہ ہونے پر اصرار ہے، جس کو سیاست وریاست میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں، دینِ اسلام کے ساتھ مسیحی کلیسا کا سا معاملہ، مذہب وسیاست کی تفریق کا نظریہ، مذہب کو ترقی اور تحقیق کی راہ میں رکاوٹ سمجھنے کا خیال، علماءِ اسلام کو مسیحی کلیسا کے ان نمائندوں کی صف میں کھڑا کرنا جو قرونِ وسطیٰ میں مادر پدر آزاد اقتدار کے مالک تھے، عورت کو بالکل مرد کے مساوی سمجھ کر اس کو زندگی کے تمام میدانوں میں دوڑنے اور حصہ لینے کا حق دار اور مجاز سمجھنا، پردہ کو (خواہ وہ کسی شکل میں ہو) مشرق کے قدیم حرم کے نظام کی یادگار اور مردوں کے جبر بیجا اور ظلم کا نشان سمجھنا اور پردے کے حکم کو ختم کرنے کو اصلاح وترقی کا پہلا قدم تصور کرنا، اسلام کے میراث اور نکاح وطلاق کے قانون کو قرونِ وسطیٰ کے مسلمان فقیہوں کا اجتہاد اور اس کو محدود اور ابتدائی معاشرہ کے تقاضے سمجھنا جو ساتویں آٹھویں صدی مسیحی میں قائم تھا، اور اس کی تبدیلی و ترمیم اور مغربی اصولوں اور معیاروں کے مطابق بنانے کے کام کو وقت کا ایک ضروری فریضہ قرار دینا، سود، شراب، جوا، جنسی تعلقات میں آزادی وبے قیدی کو زیادہ معیوب نہ سمجھ کر نظر انداز کرنا، قوم پرستی پرانی یا مغربی تہذیبوں اور زبانوں کے رواج کا جذبہ اور لاطینی رسم الخط کی افادیت واہمیت پر یقین، قوم کو کھیل وتفریح میں لگا کر اس کو مقصد زندگی قرار دینا، یہ اور اس طرح کے کم وبیش بہت سے رجحانات ہیں جو اس جدید تعلیم یافتہ نسل اور ماڈرن اسلام کی سوچ رکھنے والے جدت پسند طبقہ کے نزدیک حقائق ومسلمات اور ضروریات کا درجہ رکھتے ہیں، اور روشن خیالی اور ترقی پسندی کی علامت ہیں، اور دراصل مغربی تعلیمی نظام اور اس کے ذہنی وفکری ماحول اور فضا اور اس کے تاریخی ورثہ کا نتیجہ ہیں۔

آپ کو ترکی سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمان ممالک کے جتنے سربراہ اور رہنما نظر آئیں گے اُن میں سے اکثر اسی جدت پسندانہ سوچ پر مبنی مغربی تعلیمی نظام کی پیداوار ہیں، ان میں سے جن

کو براہ راست کسی مغربی ملک یا یورپ کے کسی مشہور تعلیمی مرکز میں پڑھنے اور پروان چڑھنے کا موقع نہیں ملا، انہوں نے اپنے ملک میں رہ کر اس نظام تعلیم سے مغربی تعلیمی نظام کے مخلص نمائندوں کی نگرانی وسرپرستی میں رہ کر یہ مقصد حاصل کیا (مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش ص ۲۵۱ تا ۲۵۲ بتغیر واضافہ)

جدت پسندی دودھاری تلوار

''جدت پسندی'' بذاتِ خود ایک اچھا جذبہ اور انسان کی ایک فطری خواہش ہے، اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا، اونٹوں اور بیل گاڑیوں سے طیاروں اور خلائی جہازوں تک رسائی حاصل نہ کرتا، موم کی شمعوں اور مٹی کے چراغوں سے بجلی کے قمقموں اور سرچ لائٹوں تک ترقی نہ کرسکتا۔ انسان کی یہ ساری مادی ترقیاں اور سائنٹفک فتوحات جنھوں نے ایک طرف چاند تاروں پر کمندیں ڈال رکھی ہیں تو دوسری طرف سمندر کی تہ میں اپنے ڈول پہنچائے ہوئے ہیں، اگر دیکھا جائے تو انسان کے اسی جذبہ کی رہین منت ہیں کہ وہ ''جدت پسند'' اور ''خوب سے خوب تر'' کا حریص ہے۔

چنانچہ اسلام نے جو ایک فطری دین ہے، کسی ''جدت'' پر بحیثیت ''جدت'' کے کوئی پابندی عائد نہیں کی، بلکہ بعض اوقات اسے اچھا قرار دیا ہے اور اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

خاص طور سے صنعت وحرفت اور فنون جنگ وغیرہ کے بارے میں نئے نئے طریقوں کا استعمال آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ جس طرح جدت پسندی کے جذبہ نے انسان کو مادی ترقی کے بامِ عروج تک پہنچایا ہے، اسے نئی نئی ایجادات عطا کی ہیں اور راحت وآسائش کے بہتر طریقے مہیا کئے ہیں اسی طرح اس نے انسان کو بہت سے نفسانی امراض میں بھی مبتلا کیا ہے اور بہت سے تباہ کن نقصانات بھی پہنچائے ہیں۔ اسی جدت پسندی کی بدولت انسان کی تاریخ فرعونوں اور شدادوں سے بھری ہوئی ہے جنہیں طاقت واقتدار کی کسی حد پر قرار نصیب نہیں ہوا، بلکہ وہ اقتدار کے شوق میں حکومت اور بادشاہی سے گزر کر خدائی کے دعویدار بن بیٹھے، اسی جدت پسندی نے ہٹلر اور مسولینی کو بھی جنم دیا جن کی ملک گیری کی

ہوس ہر روز ایک نئے خطۂ زمین کا اقتدار چاہتی تھی، اسی جدت پسندی نے آج پوری دنیا میں عریانی و فحاشی کا طوفان مچا رکھا ہے، اور باہمی رضامندی سے زنا کو سند جواز دے رکھی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جدت پسندی کا جذبہ دو دھاری تلوار ہے جو انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے کام بھی آ سکتا ہے اور اس کا کام تمام بھی کر سکتا ہے، اگر اس کو آزاد چھوڑا جائے اور استعمال کرنے سے پہلے کسی دائرے اور اصول کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو یہ دین اور انسانیت کی تباہی و بربادی کا بھی ذریعہ بن سکتا ہے اور اگر اس کے دائرے کو محدود رکھا جائے تو یہ ان کی فلاح و ترقی کا ذریعہ بن سکتا ہے اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ وہ کیا معیار ہے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ فلاں جدت مفید اور قابلِ قبول ہے اور فلاح مضر اور نا قابلِ قبول؟

صحیح اور غلط جدت پسندی کا معیار

اس معیار کے تعین کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ کام خالص عقل کے حوالے کیا جائے، چنانچہ سیکولر معاشروں میں یہ فیصلہ عقل ہی کے پاس ہوتا ہے لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ جن جن لوگوں نے ''جدت پسندی'' کے نام پر انسانیت سے اخلاق و شرافت کے سارے اوصاف لوٹ کرا سے حیوانیت اور درندگی کے راستے پر ڈالا وہ سب عقل و دانش کے دعویدار تھے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خالص عقل کو اپنا رہنما نہ بنایا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہونے کے بعد ''عقل'' کی مثال ایک ایسے ہرجائی محبوب کی سی ہوتی ہے جسے متضاد قسم کے عناصر بیک وقت اپنا سمجھتے ہیں، اور درحقیقت وہ کسی کا نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایسی ''عقل'' میں ہر برے سے برے نظریئے اور برے سے برے عمل کی بھی شاندار اور خوبصورت توجیہات مل جاتی ہیں۔

غرض اسلامی نقطۂ نظر سے اچھی اور بری جدتوں کو پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ اللہ کی شریعت نے اس کے بارے میں کیا حکم فرمایا ہے؟ اگر وہ شریعت کے احکام کے مطابق ہے تو اسے قبول کیا جائے، اور اگر شریعت کے احکام کے خلاف ہے تو شریعت میں تاویل و تحریف کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے اسے چھوڑ دیا جائے خواہ وہ زمانے کے عام چلن کے خلاف ہو اور خواہ اس طرزِ عمل پر

دوسرے لوگ کتنی ملامت اور کتنا استہزاء کرتے ہوں۔
بدقسمتی سے آج عالم اسلام کے جدت پسند طبقہ کا طرزِ عمل یہ ہے کہ جس دائرے میں اسے جدید طرزِ فکر اختیار کرنے کی ضرورت تھی وہاں تو اس کی رفتار بہت سست اور محدود ہے، لیکن شریعتِ مطہرہ اور احکامِ الٰہی کے جو اصول و مسائل ناقابلِ تغیر تھے اپنی جدت پسندی کا رخ ان کی طرف کر رکھا ہے۔
آج اسی آزاد جدت پسند طبقہ نے مغرب کے افکار و اعمال کو معیارِ حق کا درجہ دے رکھا ہے، اس کی ذہنیت، اس کی فکر، اس کے نظریات، اس کے دلائل تمام تر مغرب سے حاصل کیے ہوئے ہیں، جو حضرات تجدد پسندانہ مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں وہ اہلِ مغرب کی نگاہوں سے دیکھتے اور ان ہی کے دل و دماغ سے سوچتے ہیں (ماخوذ از ''اسلام اور جدت پسندی'' ص ۹، ۱۰، ۱۸ اور ۴۹ بتغیر و اضافہ)

جدت پسندوں کا دوہرا معیار

ہمارے تجدد پسند حضرات اس زمانے کی تبدیلی کی آڑ لے کر نہ صرف ان اجماعی احکام کو بدلنا چاہتے ہیں جو چودہ سو سال سے مسلّم چلے آرہے ہیں، بلکہ وہ بہت سے عقائد میں بھی ایسی ترمیمات کرنا چاہتے ہیں جو قرآن و سنت کی واضح نصوص کے خلاف ہیں، اور جنہیں آج تک امت کے کسی ایک قابلِ ذکر فرد نے بھی تسلیم نہیں کیا، اگر ان کی یہ ترمیمات حق بجانب ہیں تو پھر تو اس معاملے پر بھی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جس دین کے بنیادی عقائد تک کو چودہ سو سال کی مدت میں کوئی شخص صحیح طریقے سے نہ سمجھ سکا ہو تو کیا وہ دین اس لائق ہے کہ کوئی معقول آدمی اسے حق سمجھ کر اس کی پیروی کرے؟
اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے تجدد پسند حضرات کو زمانہ صرف اس موقع پر بدلا نظر آتا ہے جب اس تبدیلی سے کسی چیز میں کوئی سندِ جواز نکالنا یا مغرب کے کسی نظریئے کو اسلام کے مطابق ثابت کرنا یا اپنی آزادی کو تحفظ دینا اور نفسانی خواہشات کی تکمیل پیشِ نظر ہو، اور جہاں زمانے کی تبدیلی کا نتیجہ کسی تکلیف اور حرام و ناجائز کی شکل میں ظاہر ہوتا ہو یا اپنی آزادی میں خلل پیدا ہوتا ہو اور نفسانی خواہشات پر پابندی عائد ہوتی ہو یا اپنے مستشرقین آقاؤں کی ناراضگی کا سامنا

کرنا پڑتا ہو وہاں زمانے کی تبدیلی کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ یہ بات تو اہل تجدد کی طرف سے بہت سنی گئی کہ زمانہ بدل گیا ہے، اس لئے سود کو حلال ہونا چاہئے، لیکن آج تک کسی تجدد پسند کی طرف سے یہ تحقیق نہیں ہوئی کہ زمانہ بدل گیا ہے، اس لئے نماز میں قصر کی اجازت اب ختم ہو جانی چاہئے اور یہ اجازت اس وقت کے ساتھ مخصوص تھی جب سفر میں بے انتہا مشقت اٹھانی پڑتی تھی، لہٰذا جو لوگ ہوائی جہازوں اور ائیر کنڈیشنڈ کاروں میں سفر کرتے ہیں ان کے لئے روزہ چھوڑنے اور نماز کو مختصر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یا مثلاً یہ کہ پہلے زمانے میں مال و دولت کی کمی تھی اس لئے زکوۃ صرف ڈھائی فیصد لاگو کی گئی تھی اور اب مال و دولت کی فراوانی ہے اس لئے اس کی مقدار میں بھی اضافہ ہونا چاہئے۔

طرز عمل کے اس فرق سے آپ اس طبقہ کی اباحت و آزاد پسندانہ ذہنیت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ درحقیقت اس کی تمام تر دلیلیں اپنے پہلے سے قائم کیے ہوئے نظریات کے لئے باقاعدہ بنائی جاتی ہیں، پیش نظر چونکہ مغرب کی تقلید، اپنی آزادی اور نفسانی خواہشات کی پیروی ہے، لہٰذا جس جگہ یہ مقصد پورا ہوتا ہے وہاں ہر گری پڑی بات دلیل بن جاتی ہے، اور جس جگہ وہی دلیل اپنے مقاصد کے خلاف پڑتی ہو، وہ قابل توجہ نہیں رہتی اور اس میں ہزار خامیاں نظر آنے لگتی ہیں (اسلام اور جدت پسندی ص ۲۵، ۲۶ بتغیر و اضافہ)

علماء پر وقت کے تقاضے کے ساتھ نہ چلنے کا الزام

دوسری طرف اسی جدت پسند اور ماڈرن اسلام کے دعویدار طبقہ کا ایک زوردار نعرہ یہ ہے کہ "علماء کو وقت کے تقاضوں کے ساتھ چلنا نہیں آتا"۔ مسلمان ملکوں کے اکثر قومی رہنما اور تجدد پسند طبقہ کے افراد اس جملے کو بار بار دہراتے ہیں، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کا یہ طبقہ جو جدت پسندی کی آڑ میں اسلام کے متفقہ اصول و احکام پر عمل جراحی کرنے میں مصروف ہے، علماء حق کو اپنی راہ کا سب سے بڑا سنگِ گراں اور حائل سمجھتا ہے، وہ اپنی سب سے بڑی کامیابی اس میں سمجھتا ہے کہ علماء کو جس رخ اور جس تدبیر سے ہو سکے مطعون اور بدنام کیا جائے، اس لئے اس نے "وقت کے تقاضے" کے مبہم جملے کو جدید ذہنوں کے مسخر کرنے کا اچھا طلسم سمجھ کر اختیار کیا ہے، اور

اسی کا سہارا لے کر وہ آئے دن یہ دعویٰ کرتا رہتا ہے کہ علماء ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اس لئے وہ گردن زنی کے قابل ہیں، اور ان کی کوئی بات قابلِ قبول نہیں۔

اب اگر کوئی شخص تجدد پسند اور ان نئے مجتہدین سے یہ گذارش کرتا ہے کہ خدا کے لئے ''علم و تحقیق'' کے حال پر رحم کھایئے اور قرآن وسنت کو اس طرح موم کی ناک نہ بنایئے جس طرح یہود ونصاریٰ نے تورات وانجیل کو بنالیا تھا، تو ان حضرات کے نزدیک وہ شخص ''رجعت پسند'' ہے، قابلِ گردن زنی ہے اور اسے ''وقت کے تقاضوں کی خبر نہیں'' اس کے بارے میں اہل تجدد کا فتویٰ یہ ہے کہ '' وہ نئے دور اور اس کے تقاضوں سے بے خبر ہے''۔

حالانکہ علماءِ حق نے نہ کبھی صحیح ترقی سے روکا ہے نہ اسلام عیسائیت کی طرح بے جان مذہب ہے، جسے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقیات سے کچھ خطرہ ہو، نہ علمائے اسلام نے پوپ صاحبان کی طرح کبھی سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی مخالفت کی ہے، اور نہ اس دین کو اپنی بقاء کے لئے کسی مارٹن لوتھر یا روسو اور رینان کی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ اس دین کی تاریخ میں جتنے لوگوں نے تجدد یا ترمیم وتحریف کی کوششیں کی ہیں انہیں مذمت اور ملامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکا اس دین کی تاریخ میں ...... تجدد اور ترمیم وتحریف کی تحریک اٹھانے والے لوتھر اور کالون نہیں کہلائے، ہماری تاریخ کے اہل تجدد کا نام مسیلمہ، عبداللہ بن سبا، ابوموسیٰ مزدار، حسن بن صباح، قرمط، ابوالفضل، فیضی اور کمال اتاترک رہا ہے، جن میں سے بیشتر کی اولاد بھی اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہوئے شرماتی ہوگی، لوتھر اور کالون کی مخالفت کرنے والوں کا نام آج اکثر عیسائیوں میں بری طرح لیا جاتا ہے، لیکن تاریخِ اسلام میں اہل تجدد کے مخالفین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ، محمود غزنوی رحمہ اللہ اور مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے ناموں سے آج بھی زندہ جاوید ہیں اور جب تک انسانیت کا ضمیر زندہ ہے ان مقدس ہستیوں پر عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرنے والے انشاء اللہ باقی رہیں گے، افسوس ہے کہ ہمارے موجودہ تجدد پسند حضرات اسلام اور عیسائیت کے اس عظیم فرق کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں، اور اس غلط فہمی کے نتیجے میں علمائے اسلام کو برا بھلا کہنے، ان کی مخالفت کرنے، ان پر بہتان باندھنے اور الزامات عائد کرنے میں مصروف ہیں۔

جو لوگ علماءِ حق سے واقف ہیں ان پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ علماءِ حق نے نہ صرف یہ کہ کبھی سائنس اور ٹیکنالوجی کی مخالفت نہیں کی، بلکہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کو اس کی ترغیب بھی دیتے رہے ہیں، اس کے باوجود ایک طبقہ ہے جو شب و روز یہ راگ گاتا رہتا ہے کہ علماء ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں، انہیں سائنس اور ٹیکنالوجی سے چڑ ہے، وہ وقت کے تقاضوں کو اہمیت نہیں دیتے، اور وہ ہر نئی چیز کے دشمن ہیں اور جدت پسندی کے مخالف ہیں۔

جھوٹ کے سب سے زیادہ ہوشیار مبلغ گوبلز (Gobbles) نے سچ کہا تھا کہ اگر جھوٹ کو شدت کے ساتھ پھیلایا جائے تو دنیا اسے سچ سمجھنے لگتی ہے، ہمارے ''جدت پسند'' حضرات گوبلز کے اس مقولے پر عمل کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ اب بہت سے اچھے خاصے پڑھے لکھے اور سنجیدہ لوگ بھی ان کے اس نعرے کو سچ سمجھنے لگے ہیں، حالانکہ یہ وہ سفید جھوٹ ہے جس سے بڑھ کر شاید کوئی اور جھوٹ ماضی قریب میں پروپیگنڈا کی مشینریوں نے تیار نہ کیا ہو۔

ہاں اگر یہ جدت پسند طبقہ کے لوگ رقص و موسیقی، فحاشی و عریانی، بے پردگی و آوارگی، مخلوط تعلیم اور زن و مرد کے آزادانہ تعلقات، سودی نظامِ بنکاری اور ضبطِ ولادت، شراب نوشی، منشیات جیسی چیزوں کو وقت کے تقاضے اور ترقی کے اسباب سمجھتے ہیں، تو بلاشبہ علمائے حق نے ہمیشہ ان چیزوں کی کھل کر مخالفت کی ہے، انہیں کرنی ہی چاہیے تھی، اب بھی کرتے ہیں، اور آئندہ بھی انشاءاللہ تعالیٰ تاحیات و بقاء کرتے رہیں گے، لیکن اللہ کے لئے ہمیں یہ بتلائیں کہ عقل کی کون سی منطق ان چیزوں کو وقت کا تقاضا اور ترقی کا سبب قرار دیتی ہے؟

جو حضرات ان چیزوں کو وقت کے تقاضے سمجھتے ہیں ہم انہیں چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کسی معقول دلیل کے ساتھ یہ بتلائیں کہ آخر رقص و موسیقی اور مادی ترقی میں کیا جوڑ ہے؟ فحاشی اور عریانی کے بغیر کون سی ترقی رک جاتی ہے؟ بے پردگی اور مخلوط تعلیم سے سائنس اور ٹیکنالوجی کو کیا مدد ملتی ہے؟ اور بنکاری کو غیر سودی نظام پر چلانے سے معاشی ترقی کی راہ میں کون سی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے؟

جدت پسند طبقہ کے حضرات رقص و موسیقی، بے پردگی اور مخلوط مجالس جیسی چیزوں کو وقت کے تقاضے قرار دیتے ہیں، لیکن حالات کے پیشِ نظر ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ آج وقت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی تقاضا نہیں ہے کہ عالمِ اسلام ان تمام چیزوں کا پوری جرأت کے ساتھ قلع قمع

کرڈالے، اس لئے کہ ان چیزوں کی ہلاکت آفرینیاں جس قدر اس بیسویں صدی میں ظاہر ہوئی ہیں اتنی پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں، خود وہ مغرب جس کی تقلید کے شوق میں جدت پسند طبقہ ان چیزوں کو وقت کے تقاضے سمجھ رہا ہے آج اپنی اس خام کاری پر بری طرح مضطرب اور بے چین ہے، آج دنیا کا کوئی پڑھا لکھا انسان اس چیخ و پکار سے بے خبر نہیں ہوسکتا، جو ان اشیاء کی تباہ کاریوں پر مغرب کے اہل فکر میں مچ رہی ہیں، پھر خدارا آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ وقت کا تقاضا کیا ہے؟ آیا یہ کہ عالم اسلام بھی مغرب کے ان نقوشِ قدم پر چلتا ہوا اخلاقی تباہی کے اس مہیب غار میں جا گرے؟ یا یہ کہ مغرب کے اس ہولناک انجام سے سبق لے کر ہمیشہ کے لئے اس خطرناک راستے سے توبہ کرلے؟

مغربی تہذیب کی ان لعنتوں کو وقت کے تقاضے اور ترقی کے اسباب قرار دینے والا طبقہ اپنے آپ کو جدت پسند کہتا ہے، لیکن حیرت کی بات ہے کہ فکر و عمل کے میدان میں وہ مغرب کے ان ہی فرسودہ نظریات کا پرچار کررہا ہے جنہوں نے مغرب کو سلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ نہیں دیا، جن لوگوں کی نظر جدید حالات پر ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اپنے ان پرانے نظریات کے بارے میں مغرب کا انداز فکر کتنی تیزی سے بدل رہا ہے؟ اور ان تمام موضوعات پر فلسفہ اور سائنس کی نئی تحقیقات کیا ثابت کررہی ہیں؟ مثال کے طور پر ایک مسئلہ آبادی ہی کو لے لیجئے، جدید ماہرینِ معاشیات کی ایک بھاری تعداد تحدیدِ نسل اور ضبط ولادت (خاندانی منصوبہ بندی) کی مخالف ہے، اور اس کے پاس دلائل کا جو تازہ ترین ذخیرہ ہے اس سے متاثر ہوکر ایسے ماہرینِ معاشیات کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے، مگر ہمارے ''جدت پسند'' ہیں کہ ابھی تک مالتھس کے اسی دقیانوسی نظریئے کو سینے سے لگائے چلے آرہے ہیں، جسے پھینک کر زمانہ دو سو برس آگے نکل چکا ہے۔

ہوسکتا ہے ہماری یہ باتیں جدت پسند طبقہ کو کڑوی محسوس ہوں، لیکن ان کی لغت میں اگر جدت پسندی کے ساتھ ''حقیقت پسندی'' کا لفظ بھی کوئی معنی رکھتا ہے تو اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھیں تو وہ گواہی دے گا کہ اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے وقت ان کو یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں اہل مغرب ہمیں ''رجعت پسندی'' کا طعنہ نہ دے بیٹھیں، کہیں وہ ہمیں توہم پرست یا غیر

مہذب نہ کہہ دیں، بس! یہی خوف ہے جو اس طبقہ کو اصل اسلامی ہدایات پر سنجیدگی سے غور نہیں کرنے دیتا، اور یہ لوگ صرف انہیں باتوں کو "اسلام" ثابت کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں جنہیں مغرب کی طرف سے "روشن خیالی" کا خطاب ملا ہوا ہے۔

اس طریق کار کی بدولت ہوسکتا ہے کہ اس طبقہ کو اہل مغرب میں کچھ نیک نامی میسر آجائے، لیکن اس طریقے سے مسائل کبھی حل نہیں ہوسکتے، نہ اس طرح مسلمان ایک زندہ اور آزاد قوم کے حقوق حاصل کرسکتے ہیں، پھر ان لوگوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ غیروں کو خوش کر کے اللہ، رسول اور اپنوں سے بگاڑ لینا کون سی دانشمندی کا تقاضا ہے؟ اکبر مرحوم کی یہ نصیحت آج بھی ان لوگوں کو دعوت فکر و عمل دیتی ہے کہ۔ بے وفا کہہ دیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو! دیر والے کج ادا کہہ دیں، یہ بدنامی بھلی! (اسلام اور جدت پسندی ص ۲۷ تا ۵۸ بتغیر و اضافہ)

جدت پسندوں کے طرزِ عمل کی ایک جھلک

اس جدت پسند طبقہ کے طرز عمل کی جو تشریح کی گئی ہے اگر اس میں کوئی مبالغہ محسوس ہوتا ہے تو یہ طبقہ اپنے طرز عمل کا درج ذیل چند مثالوں سے ایک حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر دیکھ لے، اس بات کی تصدیق خود بخود ہی ہو جائے گی۔

- ......اس طبقہ نے دیکھا کہ مغرب نے اپنی بنکاری کا سارا نظام "سود" پر قائم کیا ہوا ہے، اور اسی نظام کو نئی تہذیب کی نمایاں خصوصیات میں سے شمار کیا جاتا ہے، بس! یہ دیکھ کر اس طبقہ نے اپنی تمام فکری توانائیاں اس بات پر صرف کردیں کہ کسی طرح تجارتی سود کو حلال قرار دیا جائے، لیکن اس بات کی کبھی تحقیق نہ کی کہ بنکاری کے لئے سودی نظام ہی کیا ضروری ہے؟ اسے مضاربت کے اصولوں پر کیوں نہیں چلایا جاسکتا؟ اس طبقہ نے پوری امتِ اسلامیہ کی مخالفت مول لے کر سود مفرد اور سود مرکب کا فرق تو نکال لیا، مگر مغرب کے سودی نظام کی مخالفت کر کے بلا سود بنکاری کے وہ اصول دریافت نہ کئے یا ان کو عملی جامہ نہیں پہنایا جن سے تقسیم دولت زیادہ ہموار اور زیادہ منصفانہ طریقے پر عمل میں آسکتی ہے۔
- ......اس طبقہ نے دیکھا کہ انشورنس کو مغرب میں تہذیب کی علامت سمجھا جاتا ہے، للہذا اُسے

جوں کا توں قبول کرلیا، اور اسلام کو اس کے مطابق ثابت کرنے کے لئے قرآن وسنت میں تاویلات شروع کردیں اور اس پر الٹے سیدھے دلائل قائم کرکے رسائل ومضامین لکھنا شروع کردیئے، لیکن کبھی اس پہلو سے غور نہیں فرمایا کہ اگر انشورنس کے مروجہ نظام میں تھوڑی سی تبدیلی کرلی جائے تو وہ نہ صرف اسلام کے اجماعی اصولوں کے مطابق ہوسکتا ہے، بلکہ زیادہ مفید بھی ثابت ہوسکتا ہے۔

● ......اس طبقہ نے ملاحظہ فرمایا کہ مغربی ممالک خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب دے رہے ہیں، لہٰذا اس طبقہ نے بھی اس کی تبلیغ شروع کردی، اور قرآن وسنت کی جو نصوص اس کے خلاف دکھائی دیں اپنا سارا زور ان کی تاویلات پر خرچ کردیا، لیکن کبھی یہ نہ سوچا کہ چین کا ملک اپنی سب سے بڑی آبادی کے ساتھ کس طرح زندہ اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے؟ ضبطِ ولادت پر عمل کئے بغیر اس نے مختصر سی مدت میں معاشی ترقی کی یہ منزلیں کس طرح طے کرلی ہیں؟ اور اب بھی بقول مسٹر چواین لائی۔ ہر نیا بچہ ان کے لئے مسرت کا پیغام کیوں لاتا ہے؟ اس طبقہ نے اہلِ مغرب کے شوروشغب میں نومولود بچے کے صرف ایک منہ کو دیکھا اور پھر پریشان ہوگئے کہ اس کے لئے غذا کہاں سے آئے گی؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کے اعتقاد سے کام نہ لیا اور نہ ہی اس کے دو ہاتھوں پر نظر فرمائی جن کی اہمیت کے پیش نظر اسرائیل جیسا چھوٹا ملک مسلسل تکثیرِ آبادی پر عمل کررہا ہے۔ اہلِ مغرب نے کہہ دیا تھا کہ کثرتِ آبادی ترقی پذیر ممالک کے لئے مضر ہے، اس مغرب زدہ طبقہ نے ان کے اس ''مخلصانہ مشورے'' کو قبول کرکے خاندانی منصوبہ بندی کو ضروری قرار دے دیا، اور ملک کے اصل اور بڑے ترقیاتی منصوبوں کے بجائے اپنی جانی ومالی صلاحیتوں کو اس وہمی وتقلیدی مرض کی بھینٹ چڑھا دیا، اور کبھی اس پہلو سے غور نہ فرمایا کہ ویت نام نے امریکہ کا ناک میں دم کس طرح کررکھا ہے؟ اور مغرب کو چین کے ڈراؤنے خواب کیوں نظر آتے ہیں؟ امریکیوں نے نعرہ لگایا تھا کہ ہم مشرق میں صرف ان ممالک کو امداد دیں گے جو ضبطِ ولادت اور خاندانی منصوبہ بندی پر کاربند ہوں، آپ نے سمجھا کہ یہ ہماری ہمدردی میں ایسا کہتے ہیں، لیکن کبھی اس کی تحقیق نہ فرمائی کہ اسرائیل ضبطِ ولادت پر کاربند نہیں ہے، اس کے باوجود امریکہ اسے امداد کیوں دیتا رہا ہے؟

● ...... جدت پسند طبقہ نے سنا کہ تعدد ازواج اور ایک سے زیادہ بیویاں نکاح میں رکھنا مغربی ممالک میں ممنوع ہے، اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ان کی نگاہ میں عیب ہے، لہٰذا اپنے دامن سے (معاذ اللہ) اس داغ کو دھونے کے لئے یہ معذرت پیش کردی کہ ہمارے مذہب نے اسے صرف ایمرجنسی کی مخصوص صورتوں میں جائز کیا تھا اب وہ جائز نہیں ہے، اس مقصد کے لئے قرآن کریم کی آیات کے اندر کھینچ تان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، لیکن کبھی اس بات کا سراغ لگانے کی کوشش نہیں فرمائی کہ اہل مغرب کو کبھی بھی ایک سے زائد بیویوں کی ضرورت کیوں نہیں ہوتی؟ اور ''نئی تہذیب'' کی بدولت ہر ہوٹل، ہر نائٹ کلب، اور ہر پارک میں جس ''تعدد ازواج'' پر عمل کیا جاتا ہے اس کی موجودگی میں انہیں ضابطے کی دوسری شادی کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اہل مغرب نے اس بات کی تشہیر کی تھی کہ تعدد ازواج کرنے والے بیویوں پر ظلم کرتے ہیں، مغرب زدہ اور جدت پسند طبقہ نے کہا کہ اس ظلم کو روکنا اسلام کا عین منشا ہے اس لئے تعدد ازواج کو حرام قرار دے دیا، لیکن یہ نہ سوچا کہ بے شمار افراد اپنی تنہا ایک بیوی پر ظلم کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے، بلکہ ایسے لوگوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے، لہٰذا اس طرز فکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک شادی کرنا بھی ممنوع قرار دیا جائے۔

● ...... جدت پسند طبقہ نے دیکھا کہ اہل مغرب پردے کو معیوب سمجھتے ہیں، چنانچہ اس طبقہ نے بے پردگی کے جواز کے لئے قرآن وسنت کے اجماعی احکام میں ردوبدل شروع کردی، لیکن کبھی اس پہلو سے تحقیق نہ فرمائی کہ پردے کو چھوڑ کر اہل مغرب اخلاقی تباہی کے کس کنارے تک پہنچ گئے ہیں؟ اور اس معاملے میں مغرب کے سنجیدہ مفکرین کی واویلا کا سبب کیا ہے؟

● ...... جدت پسند اور مغرب زدہ طبقہ کو معلوم ہوا کہ مغرب میں لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط طریقہ تعلیم رائج ہے، لہٰذا اس طبقہ نے اسے بھی تہذیب کی علامت سمجھ کر اس کی تبلیغ شروع کردی، لیکن کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی کہ کنسے رپورٹس (Kinsey Reports) نے امریکی معاشرے کی جو تصویر کھینچ کر دنیا کے سامنے رکھی ہے اس کے اسباب کیا ہیں؟ نہ اس طبقہ نے کبھی اس پر غور فرمایا کہ ہمارے نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی جنسی بے راہ روی اور مسلسل گرتے ہوئے معیار تعلیم کی ذمہ داری کن کن چیزوں پر عائد ہوتی ہے۔

● ...... جدت پسند طبقہ نے مطالعہ کیا کہ بہت سے اہل مغرب معجزات کو توہم پرستی قرار دیتے ہیں، چنانچہ اس طبقہ نے ان تمام معجزات کو بے اصل کہہ دیا جن کا مفصل ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، اور اس کے نتیجے میں پورے قرآن کو شاعرانہ تمثیل قرار دیا، لیکن کبھی یہ نہ سوچا کہ جن لوگوں نے ابتداءً معجزات کا انکار کیا تھا وہ خدا کے وجود کو بھی (معاذ اللہ) توہم پرستی کی بدترین قسم کہا کرتے تھے، انہوں نے وحی اور رسالت کا بھی مذاق اڑایا تھا، دوسری طرف کبھی اس طبقہ نے اس طرف بھی توجہ نہیں کی کہ سائنس کی ترقی سے جو نت نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں وہ کتنی تیزی سے معجزات کو انسانی ذہن سے قریب کر رہی ہیں۔

● ...... اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے عوام میں یہ جاہلانہ طرز عمل چل نکلا ہے کہ وہ بات بات پر اپنی بیویوں کو تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں، بلاشبہ یہ طرز عمل انتہائی غلط اور ناجائز ہے، اس کی وجہ سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، اس لئے اس کی اصلاح کے لئے ضرورت تھی، کہ اس بات کی خوب نشر و اشاعت کی جاتی کہ تین طلاقیں دینا شرعی طور پر کتنا بڑا گناہ ہے، نیز اس بات کی تحقیق کی جاتی کہ ایسے گناہ کا ارتکاب کرنے والے کے لئے کوئی تعزیر اور سزا مقرر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس کے بجائے مغرب زدہ اور جدت پسند طبقہ نے مسئلہ کا حل یہ نکالا کہ تین طلاقوں کو تین شمار کرنے سے ہی انکار کر دیا، مردوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ خواہ کتنی ہی طلاقیں دے ڈالیں یہ تسلیم ہی نہ کیا جائے گا کہ تین طلاقیں واقع ہوئی ہیں کیا اس کی مثال بالکل ایسی نہیں ہے کہ آپ ایک مظلوم کو پٹتے ہوئے دیکھتے ہیں، اور جب مظلوم آپ کو مدد کے لئے پکارتا ہے تو نہ آپ ظالم کے ہاتھ پکڑتے ہیں، نہ اسے ظلم پر کوئی تنبیہ کرتے ہیں، اس کے بجائے مظلوم سے یہ کہتے ہیں کہ تم مار کھاتے رہو، ہم تسلیم ہی نہ کریں گے کہ کسی نے تمہیں مارا ہے خدا کے لئے سوچئے! کیا مظلوم سے ظلم اسی طرح دور کیا جاتا ہے؟

● ...... جدت پسند طبقہ نے ملاحظہ فرمایا کہ بعض مقامات پر یتیم پوتا اپنے دادا کے مرنے کے بعد بے سہارا اور بے بس رہ جاتا ہے، اس طبقہ نے اس کی بے بسی کا یہ علاج تجویز کیا کہ اس کے چچاؤں کی میراث کا حصہ کاٹ کر اسے دلوا دو، لیکن نظر اس طرف نہ گئی کہ اگر یہ سلسلہ شروع کر دیا گیا تو یتیم بھتیجے اور یتیم بھانجے نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ اپنے چچا اور ماموں کی میراث سے محروم

رہیں؟ نہ اس بات پر غور فرمایا کہ ایک شخص کی بے بسی دور کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ دوسروں کی جیب پر زبردستی ڈاکہ ڈالا جائے، اس قسم کے بیکسوں کی امداد کے لئے اسلامی فقہ میں ''کتاب النفقات'' ''کتاب الوصیۃ'' اور ''کتاب الزکوۃ'' موجود ہیں، اگران احکام کو صحیح طور پر جاری وساری کردیا جائے تو ایسے بیکسوں کی امداد کہیں بہتر طریقے پر ممکن ہے۔

● ...... ایک جدت پسند طبقہ نے مشاہدہ کیا کہ اہل مغرب اور ہمارے آقا جہاد کو دہشت گردی اور فساد قرار دے رہے ہیں اس طبقہ نے بھی اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جہاد کو دہشت گردی اور انتہاء پسندی قرار دیدیا اور آیاتِ جہاد وقتال میں طرح طرح کی تاویلات شروع کردیں۔

● ...... جدت پسند طبقہ کے ایک گروہ نے دیکھا مغرب میں تصویر سازی اور تصویر کشی عام ہے لہٰذا اس نے مغرب کی تقلید میں کیمرے کی تصویر کو شرعی اور ممنوع تصویر ہی سے خارج کردیا اور کہا کہ جاندار کی صرف وہ تصویر منع ہے جو مجسمہ کی شکل میں ہو یا ہاتھ سے تیار کی جائے لیکن یہ نہ سوچا کہ کیمرے کی تصویر بھی دراصل جدید ترقی یافتہ شکل میں وہی چیز ہے۔

● ...... تجدد پسندوں نے دیکھا کہ اہل مغرب انگریزی زبان کے رواج اور اس کے استعمال کو پسند کرتے ہیں انہوں نے بھی اپنی ملکی ومذہبی وقومی زبان کو چھوڑ کر اپنے معاشرہ کا انگریزی زبان کو حصہ دینا اہم سمجھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ہر طرف انگریزی زبان کا ایک سیلاب ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنی مذہبی اور قومی زبان کے الفاظ کے استعمال کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

● ...... جدت پسند طبقہ کو معلوم ہوا کہ اسلام پر پوری طرح چلنے والے کو اہل مغرب بنیاد پرست اور انتہاء پرست وغیرہ کا طعنہ دیتے ہیں۔ اس طبقہ نے اپنے معبودانِ باطلہ سے متاثر ہو کر اسلام پر مکمل طریقہ سے چلنے کو ناپسند کیا اور اس غرض کے لئے قرآن مجید کی صریح آیات کے انکار سے نہ چونکے اور اس طرح کی تاویلات کیں کہ ہم نے عالمی برادری اور دنیا کے ساتھ چلنا ہے، ہم اس سے علیحدہ ہو کر دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے اور یہ نہ سوچا کہ مکمل دین پر عمل کرنے سے دنیا کہاں چھوٹتی ہے اور کونسی موت آتی ہے۔

● ...... جدت پسند طبقہ کے ایک گروہ نے دیکھا کہ اہل مغرب اور مستشرقین مرد کے چہرے پر داڑھی کو معیوب سمجھتے ہیں لہٰذا اس طبقہ نے داڑھی کو ایک غیر اہم اور سنت عمل سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور عوام میں اس قسم کی باتوں کی شہرت کر دی کہ داڑھی میں اسلام نہیں۔ حالانکہ اگر داڑھی میں اسلام نہیں تو اسلام میں تو داڑھی ہے جس طرح اسلام کے دوسرے احکام میں اسلام نہیں لیکن اسلام میں وہ احکام ہیں۔

● ...... جدت پسند طبقہ کی ایک جماعت نے اہل مغرب کو دیکھا کہ وہ سنت کے مطابق ٹوپی اور عمامہ والے کو برا سمجھتے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے آقاؤں کی اطاعت کرتے ہوئے اس کو حقیر نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ لیکن اپنے رسول کی نسبت اور سنت کی اہمیت کا احساس نہ ہوا۔

● ...... اس طبقہ نے دیکھا کہ ہمارے آقا پینٹ، شرٹ اور ٹائی لگانے کو باعث عزت سمجھتے ہیں، فرمانبردار غلاموں نے ان کی نقالی میں بھی اس کو رواج دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور بعض محکموں میں اس کو لازمی تنک قرار دے دیا۔ اور یہ نہ سوچا کہ جس قوم کا یہ لباس ہے اس کی تنگ نظری اور اس کی مسلمان دشمنی کا عالم یہ ہے کہ جب اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو ہمارے مغل مسلمان بادشاہوں کا جو لباس تھا، یعنی عمامہ اور خاص شلوار قمیص اس نے وہ لباس اپنے خانساموں کو پہنایا، اپنے بیروں کو پہنایا، اپنے چوکیداروں کو پہنایا۔ اور اس نے ان کو یہ لباس پہننے پر مجبور کیا۔ ایسا کیوں کیا؟ صرف مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے اور یہ دکھانے کے لئے کہ دیکھو، ہم نے تمہارے بادشاہوں کا لباس اپنے نوکروں کو، اپنے خانساموں کو، اور بیروں کو پہنایا، اس قوم کی تنگ نظری کا تو یہ عالم ہے اور سبحان اللہ جدت پسندوں کی فراخی قلب کا یہ عالم ہے ان کا لباس بڑے فخر سے اور بڑے ذوق وشوق سے پہننے کے لئے تیار ہیں۔ اب اگر ان سے کوئی کہے کہ یہ لباس پہننا غیرت کے خلاف ہے۔ تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو تنگ نظر ہے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد　　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(اصلاحی خطبات ج ۵ ص ۲۹۳ تا ۲۹۵ تغیر واضافہ)

● ...... جدت پسند طبقہ نے معائنہ کیا کہ اہل مغرب سر پر مختلف قسم کے بال رکھنے کو باعث فخر سمجھتے ہیں اس نے بھی ان کی تقلید میں انگریزی بالوں کو رواج دینا شروع کر دیا۔

● ...... جدت پسند طبقہ نے دیکھا کہ ہمارے مغربی آقاؤں کی بیگمات سر کے بال رکھنے اور کٹانے میں آزاد ہیں اور کسی قانون اور حکم کی پابند نہیں ہیں لہٰذا اس کی بھی مسلم خواتین کو اجازت دینی چاہئے۔ چنانچہ آج ان کی نقالی میں مسلم خواتین بھی دُم کٹی پھرتی نظر آتی ہیں اور یہ نہ سوچا کہ ایسی عورتوں پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت ہوتی ہے۔

● ...... اس طبقہ نے دیکھا کہ مغرب میں کھیل کود اور تفریح کو مقصد زندگی بنالیا گیا ہے اور وہ آخرت کے تصور سے غافل ہو کر کھیل و کود میں مست ہیں لہٰذا اس کو بھی اپنے ملکوں میں رواج دیا جائے اور کسی طرح آقاؤں کی فرمانبرداری میں پیچھے نہ رہنا چاہئے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ملک کی آمدنی کے بڑے حصہ کو وقف کر دیا اور یہ نہ سوچا کہ پہلے سے ایک غریب ملک میں اس قسم کی چیزوں سے غربت میں اضافہ ہوگا یا کمی۔

● ...... جدت پسند طبقہ نے دیکھا کہ مغرب میں مردوں کے شانہ بشانہ اور صف بصف خواتین کھڑی ہیں اور خواتین کو حسن آرائی اور کھیل و تفریح کا ذریعہ بنالیا گیا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں آگے آرہی ہیں انہوں نے اپنے ملکوں میں بھی ان کی نقالی میں یہ مقصد پورا کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اور ہر جگہ عورت یا اس کی تصویر کی نمائش اور تنصیب شروع کر دی۔

● ...... اس طبقہ نے دیکھا کہ مغرب میں مردوں کی طرح عورتیں بھی اپنے شوہروں کو طلاق دینے کا حق محفوظ رکھتی ہیں۔ انہیں کھل کر اس مغربی طرز عمل کی تقلید کی تو جرأت نہ ہو سکی لیکن درپردہ خلع کے نام پر عدالت کی طرف سے عورت کو یک طرفہ پر مرد کی رضامندی کے بغیر خلع کے نام پر علیحدہ کر کے شوہر کو بیوی سے محروم کر دیا لیکن دونوں کے اختلافات دور کرنے اور عورت پر واقعی ظلم و ستم کے دور کرنے کا کوئی شرعی حل نہ سوچا۔

● ...... اس طبقے کو معلوم ہوا کہ مغرب میں حکومت کے انتخاب کا طریقۂ کار کسی مضبوط دلیل پر نہیں بلکہ رائے شماری کی کثرت پر ہے خواہ وہ کثرت حق کے ساتھ ہو یا باطل کے ساتھ۔ حکومت کے انتخاب کے اس کفریہ طرز عمل کو بھی جوں کا توں قبول کر لیا گیا، اور اس طرف توجہ نہ کی کہ اسلام اور عقل کی رو سے گدھے گھوڑے اور عالم جاہل اور نیک اور بد اور عقلمند و بے وقوف، مرد اور عورت سب کی رائے برابر حیثیت نہیں رکھتی۔ اسی کو علامہ اقبال نے کہا ہے۔

جمہوریت وہ طرز عمل ہے کہ جس میں سروں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ان تمام حقائق کو ذہن میں رکھ کر اللہ کے لئے یہ جدت پسند لوگ بتائیں کہ، مسائل پر غور وفکر کرتے وقت یہ کیوں نہیں سوچتے کہ فی الواقعہ ان کا اسلامی اور عقلی حل کیا ہے؟ اس کے بجائے اس طبقہ کی نگاہیں مسلسل مغرب پر مرکوز رہتی ہیں، جس بات کی سندِ جواز اس جدت پسند طبقہ کو وہاں سے مل جاتی ہے، یہ اپنی ساری توانائیاں اسے اسلام کے مطابق ثابت کرنے میں خرچ کردیتا ہے، خواہ اس کے لئے قرآن وسنت کے ساتھ کیسا ہی سلوک کیوں نہ کرنا پڑے، اور جس بات سے مغرب کی پیشانی پر بل پڑے نظر آتے ہیں، یہ طبقہ اپنا سارا زور اسے ممنوع اور ناجائز بتانے میں خرچ کردیتا ہے، خواہ اس کے لئے شریعت کی کتنی ہی واضح نصوص کو چھوڑنا پڑے۔

مذکورہ بالا مثالوں پر جو شخص بھی سنجیدگی اور غیر جانب داری کے ساتھ غور کرے گا وہ لازماً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ معاشرے کے مسائل کو حل کرنے کے لئے اہلِ تجدد طبقہ کا طرز فکر بنیادی طور پر ہی درست نہیں ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ طبقہ اب تک نہ صرف یہ کہ ملک وملت کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکا، بلکہ اس طبقہ نے مغربی آقاؤں کی رضامندی کے حصول کی خاطر اور ان کی تقلید میں ملک بھر میں انتشار، خلفشار، بے چینی اور اضطراب پیدا کردیا ہے، کاش! کہ جدت پسند طبقہ کے لوگ اس بات پر نیک نیتی کے ساتھ غور کرسکیں کہ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے وہ ملی اتحاد کے لئے کتنا مضر اور خطرناک ہے؟

جدت پسندوں سے ہماری گزارش یہ ہے کہ تم کتنا ہی اہل مغرب کا طرز عمل اختیار کرلو مگر تم پھر بھی ان کی نگاہ میں عزت نہیں پاسکتے، قرآن کریم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (سورہ بقرہ آیت ۱۲۰)

یہ یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک تم اُن کی ملت کو اختیار نہیں کرلو گے، اُن کے نظریات، ان کے ایمان، ان کے دین کو اختیار نہیں کرلو گے، اس وقت وہ تم سے راضی نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اب تم اپنا لباس بدل لو، پوشاک بدل لو، سراپا بدل لو، جسم بدل لو، جو چاہو بدلو، لیکن وہ تم سے راضی ہونے کو تیار نہیں۔

چنانچہ تم نے تجربہ کرلیا، اور سب کچھ کر کے دیکھ لیا، سب کچھ ان کی نقالی پر فنا کر کے دیکھ لیا،

سر سے لے کر پاؤں تک تم نے اپنے آپ کو بدل لیا، کیا تم سے وہ لوگ خوش ہو گئے؟ کیا تم سے راضی ہو گئے؟ کیا تمہارے ساتھ انہوں نے ہمدردی کا برتاؤ شروع کر دیا؟ نہیں بلکہ آج بھی ان کی دشمنی کا وہی عالم ہے، اور اس لباس کی وجہ سے ان کے دل میں تمہاری عزت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی (اصلاحی خطبات ج ۵ ص ۲۹۵ تا ۲۹۶ بتغیر و اضافہ)

جدت پسند طبقہ کا علماء پر ایک اعتراض

جدت پسند لوگ قرآن وسنت کی تشریح وتعبیر اور اس سے احکام مستنبط کرنے کے لئے نہ ''عالم'' اور ''فقیہ'' یا ''اہلِ فتویٰ'' ہونے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور نہ ''عابد'' یا ''اہلِ تقویٰ'' ہونے کو، ان کی طرف سے عرصہ دراز سے یہ شور مچا ہوا ہے کہ:

''قرآن وسنت کی تشریح پر علماء کی اجارہ داری نہیں ہونی چاہئے اسلام میں پاپائیت نہیں ہے، اس لئے کسی خاص گروہ کو قانون سازی کا حق نہیں دیا جا سکتا قرآن وسنت کی تشریح کا حق تمام مسلمانوں کو ہے، صرف علماء کو نہیں'' ''علماء کو اسلام کے معاملے میں ویٹو کا حق نہیں دیا جا سکتا'' وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ نعرے ہیں جن سے تجدد پسند طبقے کی کوئی تحریر بمشکل خالی ہوتی ہے۔

اسی پاپائیت والی بات کو اہلِ تجدد کی طرف سے ایک دوسرے پیرایہ میں یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ ''کتاب وسنت پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، اس لئے اس کی تعبیر وتشریح کا حق علماء کے لئے محفوظ نہیں کیا جا سکتا''

پراپیگنڈہ کے مشاق ہیں کہ اس نعرے کو بے تکان دہراتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ اس اعتراض کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے ایک شخص جس نے کبھی کسی میڈیکل کالج کی شکل تک نہ دیکھی ہو۔ یہ اعتراض کرنے لگے کہ ملک میں علاج و معالجہ پر سند یافتہ ڈاکٹروں کی اجارہ داری کیوں قائم کر دی گئی ہے؟ مجھے بھی بحیثیت ایک انسان کے یہ حق ملنا چاہئے۔ یا کوئی عقل سے کورا انسان یہ کہنے لگے کہ ملک میں نہریں، پل اور بند تعمیر کرنے کا ٹھیکہ صرف ماہر انجینئروں ہی کو کیوں دیا جاتا ہے؟ میں بھی بحیثیت ایک شہری کے یہ

خدمت انجام دینے کا حق دار ہوں۔ یا کوئی عقل سے معذور آدمی یہ اعتراض اٹھانے لگے کہ قانون ملک کی تشریح وتعبیر پر صرف ماہرینِ قانون، وکلاء اور ججوں ہی کی اجارہ داری کیوں قائم کردی گئی ہے، میں بھی عاقل وبالغ ہونے کی حیثیت سے یہ کام کرسکتا ہوں۔

ہمیں توقع نہیں ہے کہ کوئی صحیح العقل انسان اس قسم کی باتیں کہہ سکتا ہے، اور اگر واقعۃً کوئی شخص سنجیدگی کے ساتھ اپنے دل میں یہ کھٹک رکھتا ہو تو کیا اس سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ بلاشبہ بحیثیت ایک شہری کے تمہیں ان تمام کاموں کا حق حاصل ہے، لیکن ان کاموں کی اہلیت پیدا کرنے کے لئے سالہا سال دیدہ ریزی کرنی پڑتی ہے، ماہر اساتذہ سے ان علوم وفنون کو سیکھنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے ڈگریاں حاصل کرنی پڑتی ہیں، پہلے یہ زحمت تو اٹھاؤ، پھر بلاشبہ تم بھی یہ خدمتیں انجام دے سکتے ہو۔

سوال یہ ہے کہ یہی بات اگر قرآن وسنت کی تشریح کے دقیق اور نازک کام کے لئے کہی جائے تو وہ "اجارہ داری" کیسے بن جاتی ہے؟ کیا قرآن وسنت کی تشریح وتعبیر کے لئے کوئی اہلیت اور کوئی قابلیت درکار نہیں؟ کیا اس کے لئے کسی درس گاہ میں پڑھنے اور کسی استاد سے علم حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا پوری دنیا میں ایک قرآن وسنت ہی کا علم ایسا لاوارث رہ گیا ہے کہ اس کے معاملے میں ہر شخص کو اپنی "تشریح وتعبیر" کرنے کا حق حاصل ہے، خواہ اس نے قرآن وسنت کا علم حاصل کرنے کے لئے چند مہینے بھی خرچ نہ کئے ہوں۔

کتاب وسنت کی تشریح کے لئے جس دیدہ ریزی کی ضرورت ہے پہلے کچھ اس کا ذائقہ تو چکھئے، زندگی کا کچھ حصہ علوم کتاب وسنت کے کوچے میں گزاریئے۔ اس کوچے کے آداب سیکھئے، اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کے لئے کتاب وسنت کی تشریح کے حق کا قائل نہ ہو تو بلاشبہ آپ کا گلہ جائز اور برحق ہوگا (اسلام اور جدت پسندی ص ۶۳،۶۴)

جدت پسند طبقوں کی طرف سے علماء اور ان کی تحقیق پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ ورسول کے احکام کی مخالفت کیوں کرتے ہو تو ان کی طرف سے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ہم علماء کے مخالف ہیں اسلام کے نہیں حالانکہ یہ صرف فریب کاری ہے، علماءِ حق کی مخالفت دراصل اسلام اور اللہ ورسول ہی کی مخالفت ہے۔ اس کو آپ ایک مثال سے اس طرح سمجھئے کہ قانون وہ ہے جو کہ پارلیمنٹ نے منتخب اور تجویز کیا ہے اور اس کی وہ تشریح

معتبر ہے جو کہ جج اور وکیل صاحبان سمجھتے ہیں۔ نہ کہ عوام اور جاہلوں کی تشریح کیونکہ اوپر والوں کی عوام سے براہ راست تو خط و کتابت اور رابطہ ہے نہیں جو وہ خود عوام سے اس کے معنی اور تشریح اور قانونی باریکیاں بیان کرتے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں کو انہوں نے قانون فہمی کا اہل سمجھ کر عہدہ دیا ہے۔ وہ جو معنی اور تشریح قانون کی بیان کریں اسی کا اعتبار ہوگا، قانون کے درحقیقت یہی معنی ہیں۔ دیکھئے جب کوئی کورٹ کا جج ایک فیصلہ دیتا ہے تو کیا اس وقت عوام اور جہلاء کا یہ کہنا معتبر ہوگا کہ قانون کے یہ معنے اور تشریح نہیں جو جج نے سمجھے۔ اگر کوئی ایسا کرے اور جج صاحب کا حکم نہ مانے تو اس کو قانون کی مخالفت اور قانون وعدالت کی توہین قرار دیا جاوے گا۔ اور اس کے لئے سزا تجویز کی جائے گی۔

دیکھئے کورٹ کے جج قانون کے سمجھنے والے تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور جو وہ قانون کے معنی بیان کریں اس کی مخالفت قانون ہی کی مخالفت قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ پارلیمنٹ کے اندر بیٹھنے والے حکام ہر مقدمہ کا فیصلہ خود تو کرتے نہیں۔ بلکہ وہ اصول اور قاعدہ وضابطہ بنادیتے ہیں۔ اس لئے قانون کے سمجھنے والے کورٹ کے جج قرار دیئے گئے ہیں۔ تو جس طرح کورٹ کی مخالفت کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ میں پارلیمنٹ کا مخالف نہیں ہوں۔ بلکہ قانون کے معنی بیان کرنے والے جج صاحبان کے خلاف ہوں تو اس کو پارلیمنٹ ہی کا مخالف سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اور علماء کا بھی حال ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے سمجھنے والے ہیں اس لئے ان کی مخالفت اللہ اور رسول کی مخالفت شمار ہوگی۔ ائمہ مجتہدین اور علماء حق کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص شان عطا فرمائی ہے۔ اب کوئی اللہ تعالیٰ سے اختلاف کرے کہ ان کے اندر یہ قابلیت کیوں رکھی اور ہمارے اندر کیوں نہیں رکھی۔ تو یہ بات علماء سے پوچھنے کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے پوچھیے۔ لیکن پھر یہ بھی پوچھ لینا۔ کہ انبیا کو نبوت کیوں دی مجھے کیوں نہیں دی۔ عوام کی تو ایسی مثال ہے۔ جیسے عام رعیت اور علماء حق کی ایسی مثال ہے جیسے وکلاء اور آئمہ مجتہدین۔ جیسے کورٹ کے جج۔ بس جب ایک رعیت کو کورٹ کے جج بلکہ ایک معمولی جج کی مخالفت جائز نہیں تو عوام کو علماء کی مخالفت کب جائز ہوگی۔ تو اب اس کے کہنے کی کہاں گنجائش رہی کہ ہم تو علماء کے مخالف ہیں اللہ اور رسول کے مخالف نہیں۔

معلوم ہوا کہ علماء حق کی مخالفت عوام کے لئے کسی طرح جائز نہیں۔حتی کہ اگر آپ کے سامنے قرآن وحدیث کا ترجمہ بھی موجود ہو۔ جب بھی آپ کو علماء کی مخالفت جائز نہیں۔کیونکہ ترجمہ سمجھنے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے۔جیسے کہ قانون کا ترجمہ ہوگیا ہے مگر پھر بھی کوئی شخص جج کی مخالفت میں اپنی رائے نہیں پیش کرسکتا۔ اور اگر کرے تو اب بھی اس کا وہی حال ہوگا جو قانون کا ترجمہ نہ ہونے کی حالت میں ہوتا۔یعنی قانون کا مخالف قرار دیا جاوے گا۔تو اسی طرح اگرچہ قرآن وحدیث کا ترجمہ ہوگیا ہے۔مگر پھر بھی عوام کو اجتہاد کرنا۔اور علماء حق سے مقابلہ کرنا جائز نہیں۔اور جس طرح حکام کی مخالفت کرنے والا واقع میں گورنمنٹ کی مخالفت کرنے والا ہے۔اسی طرح علماء کی مخالفت کرنا حضور ﷺ سے مخالفت کرنا ہے۔اور علماء کی مخالفت کر کے یہ عذر کرنا کہ ہم اللہ اور رسول کے خلاف نہیں کرتے۔نہایت نازیبا اور لچر عذر ہے (اشرف الجواب ص ۲۰۸ تا ۲۱۰ بتغیر واضافہ)

جدت پسندوں کی ریسرچ اور قرآن وحدیث کے نام کا فریب

جدت پسندوں نے تحقیق واستدلال کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے از خود کچھ نظریات (خواہ خود ساختہ من پسند کے موافق یا اہل مغرب کی خوشنودی وتقلید کی خاطر) متعین کر کے انہیں وقت کے تقاضے قرار دے دیا، اور پھر اپنی ''نئی تعبیر'' کے ذریعہ قرآن وسنت کو ان پر چسپاں کر کے دکھا دیا، یہی وہ پہلی بنیاد ہے جس کی کجی نے ان کی فکر ونظر کی پوری عمارت ٹیڑھی کر دی ہے اور یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے ان کے افکار اور نظریات تحقیق اور نظر کے تمام اصولوں، تمام ضابطوں اور تمام قاعدوں کو روندتے ہوئے ''تحریف'' کی سرحدوں میں داخل ہوگئے ہیں دنیا کے ہر علم وفن میں تحقیق ونظر کے کچھ اصول اور ضابطے مقرر ہوتے ہیں، جس کی پابندی کئے بغیر اس فن کی تحقیق میں صحیح نتائج تک نہیں پہنچا جاسکتا۔موجودہ اصول قانون (Jurisprudence) بھی ''تعبیر قانون موضوعہ'' (Interpretation of Statutes) ایک مستقل علم ہے، اس کے باقاعدہ اصول وضوابط ہیں، اور جب تک ان اصولوں کی پورے طور سے رعایت نہ کی گئی ہو، کسی شارحِ قانون کی کوئی تشریح قابل قبول نہیں ہوسکتی ہے۔

اسی طرح، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ معقول اور منظم طور پر فقہ اور "تعبیر قرآن وسنت" کے مفصل اور واضح اصول وضوابط موجود ہیں، جو "علم فقہ" میں انتہائی تحقیق وتدقیق، نکتہ رسی اور دیدہ ریزی کے ساتھ مدون کیے گئے ہیں۔ اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں اور ان میں ایک ایک قاعدے کو خوب اچھی طرح نکھار دیا گیا ہے، جب تک قرآن وسنت کی تعبیر ان اصولوں اور ضابطوں کے مطابق نہیں ہوگی، اسے کوئی معقولیت پسند انسان قبول نہیں کر سکتا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کسی موجودہ شارح قانون کی وہ تشریح قبول نہیں کی جا سکتی جو "تعبیر قانون موضوعہ" کے اصولوں کے مطابق نہ ہو۔

مگر ہمارے جدت پسند یا اہل تجدد اپنے اس اُلٹے طرز فکر کی بناء پر اپنی تعبیرات اور تشریحات میں ان میں سے کسی اصول کے پابند نہیں ہوتے اور جا بجا تعبیر قرآن وسنت کے ان مستحکم قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

پھر تھوڑی دیر کے لئے "اصولِ فقہ" کے ان مستحکم اور معقول قواعد سے بھی قطع نظر کر لیجئے جو فقہاء نے مدون فرمائے ہیں، لیکن جدت پسندوں نے تعبیرِ قانون وسنت کے دوران کوئی اصول تو مدنظر رکھا ہوتا، اگر "اصولِ فقہ" کے قواعد وضوابط اُن کو پسند نہ تھے تو دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہوتا کہ تعبیر قرآن وسنت کے یہ قواعد فلاں فلاں وجوہات کی بناء پر غلط ہیں، پھر دلائل ہی کے ساتھ ان کے متبادل دوسرے صحیح قواعد مقرر کیے ہوتے، اس کے بعد اپنی تحقیقات میں ان ہی قواعد کا لحاظ رکھ لیتے۔ مگر ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی تعبیرات کے پیچھے کوئی اصول، کوئی ضابطہ اور کوئی قاعدہ ہی نہیں ہے، ایک مقام پر ایک قاعدے کو توڑتے اور اس کی مخالفت کرتے ہیں، مگر جب کسی دوسرے مقام پر وہی قاعدہ ان کو اپنا مؤید اور موافق معلوم ہوتا ہے تو اسے بے چون وچرا تسلیم فرما لیتے ہیں جب کسی حدیث پر اپنے متعین کردہ نظریئے کے خلاف نظر پڑتی ہے تو اسے رد فرما دیتے ہیں، خواہ وہ اسناد کے لحاظ سے کتنی ہی قوی اور صحیح کیوں نہ ہو، لیکن جہاں کسی حدیث سے اپنے نظریئے کی تائید ہوتی ہو، وہاں اس کی وجہ سے قرآن کریم کی واضح آیات کو بھی چھوڑ دیتے ہیں خواہ وہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف اور غیر معتمد بلکہ من گھڑت ہی کیوں نہ ہو، اگر علماء متقدمین کے اقوال ان کے خلاف ہوتے ہیں تو پوری امت کے اجماع کو بھی پس پشت

ڈال دیتے ہیں، اور جس جگہ کسی عالم یا فقیہ کا کوئی قول مفید اور مطلب و مزاج کے موافق اور اپنے پہلے سے گھڑے ہوئے نظریئے بلکہ مغرب کے مطابق نظر آجاتا ہے، اسے بے چوں و چرا تسلیم فرمالیتے ہیں، خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو؟

آپ کو شاید معلوم ہو کہ عیسائی مبلغین جو عالم اسلام میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں، سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے ہمیشہ قرآن وحدیث ہی سے اپنے عقائد ثابت کیا کرتے ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ دیکھو! قرآن میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''کلمۃ اللہ'' کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کی صفت کلام تھے، اور انجیل یوحنا بھی یہی کہتی ہے، قرآن ہی میں انہیں ''روح اللہ'' کہا گیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی روح ہیں، اور خدا سے ان کا تعلق ایسا ہے جیسے جسم اور روح کا ہوتا ہے، اور پولس بھی یہی کہتا تھا۔ قرآن ہی نے یہ بھی کہا ہے کہ ''ہم نے روح القدس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید کی تھی'' اور اس سے مراد وہ واقعہ ہے جو انجیل متی میں بھی لکھا ہے کہ روح القدس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کبوتر کی شکل میں نازل ہوئی تھی۔

لیجئے! خدا (۱) کلمہ (۲) اور روح القدس تینوں اقنوم قرآن سے ثابت ہو گئے، اور قرآن جو تثلیث کے عقیدے کا کھلم کھلا مخالف ہے، اس ''نئی تعبیر'' کی بدولت خود اسی سے اس بے سروپا عقیدے کا ثبوت مل گیا۔ رہ گئیں قرآن کریم کی وہ آیات جن میں صراحۃً تثلیث کے عقیدہ کی نفی کی گئی ہے، تو جب تثلیث کا عقیدہ ثابت کرنا ہی ٹھہرا، تو کہا جا سکتا ہے کہ ان آیات میں حقیقی تثلیث کی نفی کی گئی ہے اور یہ بات عیسائی بھی مانتے ہیں کہ خدا تین نہیں، بلکہ یہ تین اقنوم درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اور یہ جو قرآن مجید نے کہا ہے کہ ''جو لوگ مسیح بن مریم کو اللہ کہتے ہیں وہ کافر ہیں'' تو درحقیقت اس میں مونوفیسی فرقے کی تردید کی گئی ہے، اور جہاں جہاں قرآن نے نصرانیوں کو عذاب جہنم سے ڈرایا ہے اس سے مراد بھی کیتھولک فرقے نہیں، بلکہ مونوفیسی فرقے اس کے مخاطب ہیں۔

رہا قرآن مجید کا یہ فرمانا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی۔ تو ٹھیک ہے! عام عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسیح کے اقنوم کو سولی نہیں ہوئی۔ صرف پیٹری پیشین فرقہ ''اقنوم مسیح'' کے

سولی پر چڑھنے کا قائل تھا، اسی کی تردید قرآن نے کردی، جہاں تک مسیح علیہ السلام کے جسد کا تعلق ہے تو قرآن نے اس کے پھانسی پر چڑھنے کی تردید نہیں کی۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا ''نئی تعبیر'' کا یہ کرشمہ کہ اس نے کس طرح تمام نصرانی عقائد قرآن سے ثابت کردیئے؟ سوال یہ ہے کہ جدت پسند طبقہ کی ''نئی تعبیر'' میں اور عیسائیوں کی اس ''نئی تعبیر'' میں کیا فرق ہے؟ اگر جدت پسند طبقہ کو قرآن وسنت کی ''نئی تعبیر'' کرکے اسلام کے اجماعی احکام میں ترمیم کرنے کا حق حاصل ہے تو عیسائیوں کو یہ حق کیوں حاصل نہیں؟ یہ تو ایک مثال آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اس ''نئی تعبیر'' کے ''ناوک'' نے زمانے میں کوئی ''صید'' نہیں چھوڑا۔

اہل تجدد کی تفسیریں ملاحظہ فرمایئے، اس میں آپ کو ''نئی تعبیر'' کے کیسے کیسے ''شاہکار'' نظر آئیں گے، ''وحی'' ان حضرات کے نزدیک خود ''رسول'' کا کلام ہوتا ہے اور فرشتوں سے مراد پانی، بجلی، وغیرہ، ابلیس سے مراد قوت واہمہ، جن سے مراد وحشی قبائل، انس سے مراد متمدن لوگ، موت سے مراد غشی، ذلت یا کفر، زندہ ہونے سے مراد عزت پانا، ہوش میں آنا یا اسلام لانا، اور پتھر پر لاٹھی مارنے سے مراد لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چڑھنا ہے۔

بہر حال اگر دلائل کو نظریات کے تابع بنانے کا طرز فکر اپنا لیا جائے تو قرآن ہی سے عیسائیت بھی ثابت ہوسکتی ہے، یہودیت بھی اشتراکیت بھی اور سرمایہ داری بھی، آخر اسی طرز استدلال کو اپنا کر پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''ابلیس وآدم'' میں ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو قرآن سے ثابت کر دکھایا ہے اور قرآنی جملہ ''اقیموا الصلوۃ'' (نماز قائم کرو) سے ان کے ''ذہن رسا'' نے اشتراکی انداز کا ایک معاشی نظام مستنبط کرلیا ہے، یہی انداز فکر اختیار کرکے مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی نے دمشق سے قادیان مراد لے لیا، اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''باب لد'' کے مقام پر دجال کو قتل فرمائیں گے تو اس سے مرزا جی نے اپنے مسیح موعود ہونے پر استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''لد'' سے مراد ''لدھیانہ'' ہے اور اس کا دروازہ قادیان ہے۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے (ماخوذ از ''اسلام اور جدت پسندی'' ص ۵۱ تا ۵۶ بتغیر واضافہ)

جدت پسند مجتہدین کی دین سے جہالت کی حالت

جدت پسند طبقہ دراصل اسلام اور سیکولرزم کے واضح فرق کو ہی شعوری یا غیر شعوری طور پر سمجھنے میں ناکام رہا ہے اور وحی والے علم کی جگہ اس طبقہ نے عقل کو دیدی ہے دین کا صحیح، مضبوط اور مکمل علم حاصل کئے بغیر دین میں عقل کو استعمال کرنا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا حل صرف عقل سے لیتے ہیں حالانکہ اسلام اور سیکولرازم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ عقل کو استعمال کرو۔ لیکن صرف اس حد تک جہاں تک وہ کام دیتی ہے۔ ایک سرحد ایسی آتی ہے جہاں عقل کام دینا چھوڑ دیتی ہے بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دیتی ہے، جیسے کمپیوٹر ہے۔ اگر اس کو اس کام میں استعمال کریں جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے تو وہ فوراً جواب دے دے گا۔ لیکن جو چیز اس کمپیوٹر میں فیڈ (Feed) نہیں کی گئی۔ وہ اگر اس سے معلوم کرنا چاہیں تو نہ صرف یہ کہ وہ کمپیوٹر کام نہیں کرے گا بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دے گا۔ اسی طرح جو چیز اس عقل کے اندر فیڈ نہیں کی گئی۔ جس چیز کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، جو وحی الٰہی ہے۔ جب وہاں عقل کو استعمال کرو گے تو یہ عقل غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔ یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ جس کے لئے قرآن کریم اتارا گیا (اصلاحی خطبات ج ا ص ۳۰۴ بتغیر واضافہ)

جدت پسند طبقہ کا ایک طریقہ واردات یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے بہت سی چیزوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں یہ عمل اس طرح ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا۔ آج چونکہ یہ عمل اس طرح نہیں ہو رہا ہے لہٰذا وہ حرام نہیں ہے اسی لئے یہاں تک بھی کہہ دیا گیا ہے کہ خنزیروں کو اس لئے حرام قرار دیا گیا تھا کہ وہ گندے ماحول میں پڑے رہتے تھے غلاظت کھاتے تھے گندے ماحول میں ان کی پرورش ہوتی تھی اب تو بہت صاف ستھرے ماحول میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور ان کے لئے اعلیٰ درجے کے فارم قائم کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا اب ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

یاد رکھئے، قرآن کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت ہوتی ہے اس کی

صورتیں چاہے کتنی بدل جائیں اور اس کو بنانے اور تیار کرنے کے طریقے چاہے کتنے بدل لیے رہیں۔ لیکن اس کی حقیقت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ اور وہ حقیقت حرام ہوتی ہے یہ شریعت کا اصول ہے (اصلاحی خطبات ج۷، ص ۵۳ بتغیر واضافہ)

اجتہاد کا دائرہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں قرآن وحدیث کا واضح حکم موجود نہ ہو۔ جہاں شریعت کا واضح حکم موجود ہو وہاں عقل کو استعمال کر کے قرآن وحدیث کے خلاف کوئی بات کہنا درحقیقت اپنے دائرہ کار (Jurisdiction) سے باہر جانے والی بات ہے اور اسی کے نتیجے میں دین کی تحریف کا راستہ کھلتا ہے۔

قرآن کریم میں خنزیر کو حرام قرار دیا گیا ہے اور یہ حرمت کا حکم وحی کا حکم ہے۔ اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا کہ صاحب قرآن کریم نے خنزیر اس لئے حرام کیا تھا کہ اس زمانے میں خنزیر بڑے گندے تھے اور غیر پسندیدہ ماحول میں پرورش پاتے تھے اور غلاظتیں کھاتے تھے۔ اب تو خنزیر کے لئے بڑے ہائی جینک فارم (Hygenic Farm) تیار کئے گئے ہیں اور بڑے صحت مندانہ طریقے سے پرورش ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ حکم اب ختم ہونا چاہئے یہ اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا ہے جہاں وہ کام دینے سے انکار کر رہی ہے (اصلاحی خطبات ج اص ۴۰ تا ۴۱ بتغیر)

لہٰذا کسی چیز کے حرام ہونے کے لئے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ وہ اس خاص صورت میں حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بھی پائی جائے اور حضور ﷺ کے زمانے میں اس انداز سے اس کا وجود بھی ہو۔ قرآن کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے اور اس حقیقت کو وہ حرام قرار دیتا ہے چاہے اس کی کوئی خاص صورت حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود ہو یا نہ ہو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ قرآن کریم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ اور شراب کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا مشروب جس میں نشہ ہو، اب آج اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ صاحب! آج کل کی یہ وہسکی (Whisky) بیئر (Beer) اور برانڈی (Brandy) حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں تو پائی نہیں جاتی تھی۔ لہٰذا یہ حرام نہیں ہے، تو یہ بات صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں اگرچہ یہ اس خاص شکل میں موجود نہیں تھی، لیکن اس کی حقیقت یعنی "ایسا مشروب جو نشہ آور ہو" موجود تھی اور آنحضرت

علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا اب وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، اب چاہے شراب کی نئی شکل آ جائے۔ اور اس کا نام چاہے وسکی (Whisky) رکھ دیا جائے یا برانڈی رکھ لو یا بیئر رکھ لو یا کوک (Coke) رکھ لو، نشہ آور مشروب ہر شکل اور ہر نام کے ساتھ حرام ہے۔

اور جدت پسندوں کا یہ کہنا کہ ''کمرشل لون'' چونکہ اس زمانے میں نہیں تھے بلکہ آج پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے حرام نہیں ہیں، یہ خیال درست نہیں (اسلامی خطبات ج ۷، ص ۵۲ بتغیر)

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ہمارا ایک ہندوستانی گویا ایک مرتبہ حج کرنے چلا گیا۔ حج کے بعد وہ جب مدینہ شریف جا رہا تھا۔ راستے میں منزلیں ہوتی تھیں۔ ان پر رات گزارنی پڑتی تھی۔ ایک منزل پر جب رات گزارنے کے لئے ٹھہرا تو وہاں ایک عرب گویا آ گیا۔ وہ بدو قسم کا عرب گویا تھا۔ اس نے بہت بھدے انداز سے سارنگی بجا کر گانا شروع کیا۔ آواز بڑی بھدی تھی اور اس کو سارنگی اور طبلہ بھی صحیح بجانا نہیں آتا تھا جب ہندوستانی گویئے نے اس کی آواز سنی تو اس نے کہا کہ آج یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے بجانے کو کیوں حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ آپ نے تو ان بدوؤں کا گانا سنا تھا۔ اگر آپ میرا گانا سن لیتے تو حرام قرار نہ دیتے۔ تو اس قسم کی فکر اور تھنکنگ (Thinking) ڈیولپ (Develop) ہو رہی ہے جس کو اجتہاد کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ نصوصِ قطعیہ کے اندر اپنی خواہشاتِ نفس کو استعمال کرنا ہے

ہمارے ملک میں ایک صاحب اپنی فیلڈ (Field) میں ''مفکر'' (Thinker) سمجھے جاتے ہیں ان کی فکری صلاحیتوں کی حالت یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ جو آیت ہے۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا۔ کہ چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹ دو

ان مفکر صاحب نے اس آیت کی یہ تفسیر کی کہ چور سے مراد سرمایہ دار ہیں جنہوں نے بڑی بڑی صنعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ اور ''ہاتھ'' سے مراد ان کی انڈسٹریاں (Industries) اور ''کاٹنے'' سے مراد ان کا نیشنلائزیشن (Nationalization) ہے، لہٰذا اس آیت کے معنی ہیں کہ سرمایہ داروں کی ساری انڈسٹریوں کو نیشنلائز کر لیا جائے اس طریقے سے چوری کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس قسم کے اجتہادات کے بارے میں اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ:

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

کہ ایسے کم نظر لوگوں کے اجتہاد سے پرانے لوگوں کی باتوں کی اقتدا کرنا وہ زیادہ محفوظ ہے

لیکن یہ ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

(اصلاحی خطبات ج ۱ ص ۱۴۱ تا ۱۴۳ ملخصا)

اگر کوئی شخص علماء کی تحقیق سے مطمئن نہیں ہوتا تو ضروری ہے کہ وہ خود باضابطہ علم دین حاصل کرے تاکہ خود تحقیق کی اہلیت پیدا ہو، علم دین کسی خاندان کے لئے مخصوص نہیں ہے، کسی قبیلہ یا اس کی میراث نہیں ہے، نہ کسی خاص قوم و وطن اور نسل کے ساتھ مخصوص ہے، اللہ کا دین ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ خود عالم نہ بنیں، اور جب تحقیق کا معاملہ آئے تو علماء سے مطمئن نہ ہوں یاد رکھیے کہ کسی بھی فن سے فائدہ اٹھانے کے صرف دو راستے ہیں تیسرا راستہ نہیں ایک یہ کہ کسی صحیح صاحب فن کی اتباع کریں یا یہ کہ خود اس فن کو ٹھیک حاصل کریں اسی وجہ سے جو لوگ نہ خود صحیح علم دین کی سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہی صحیح سمجھ رکھنے والوں کی اتباع کرتے ہوں آخرت میں عذاب کے مستحق ہوں گے اور کہیں گے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الآیۃ) یعنی اگر ہم سنتے اور اتباع کرتے یا خود حق کی سمجھ رکھتے تو آج دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔

الہدیٰ انٹرنیشنل اور مغربی جدت پسند

جدت پسندوں کی ایک شاخ الہدیٰ انٹرنیشنل نامی ادارہ بھی ہے جس کی انچارج ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ ہیں جو مغربی ادارہ کے غیر مسلم دانشوروں سے اسلامی علوم کی ڈگری اور سند لے کر آئی ہیں اور قرآن مجید کے نام سے انٹرنیشنل سطح پر منظر عام پر آ رہی ہیں اور قرآن مجید کی تفسیر کو موم کی ناک بنا کر اپنی مرضی کی تفسیر پر عمل پیرا ہیں کہ کہیں اجماعی مسائل کی مخالفت کرتے ہوئے قضاء نمازوں تک کا انکار کر بیٹھتی ہیں اور کہیں خواتین کو اپنے شوہروں اور والدین اور بڑوں کے ادب واحترام سے محروم کر دیتی ہیں، مگر انداز وہی جدت پسندوں والا ہے کہ اوپر سے منقش سانپ کی طرح اسلام اور نیک اعمال کا لیبل ہے اور اندر زہر چھپا ہوا ہے اس حالت میں اگر نیک بننے کے ساتھ ایک عقیدہ میں بھی بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے تو اس نیکی کا کیا فائدہ؟ جدت پسند حلقہ

کہ ایسے کم نظر لوگوں کے اجتہاد سے پرانے لوگوں کی باتوں کی اقتدا کرنا وہ زیادہ محفوظ ہے

لیکن یہ ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

(اصلاحی خطبات ج۱ص ۱۴۱ تا ۱۴۴ بتغیر)

اگر کوئی شخص علماء کی تحقیق سے مطمئن نہیں ہوتا تو ضروری ہے کہ وہ خود باضابطہ علم دین حاصل کرے تاکہ خود تحقیق کی اہلیت پیدا ہو، علمِ دین کسی خاندان کے لئے مخصوص نہیں ہے، کسی قبیلہ یا اس کی میراث نہیں ہے، نہ کسی خاص قوم و وطن اور نسل کے ساتھ مخصوص ہے، اللہ کا دین ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ خود عالم نہ بنیں، اور جب تحقیق کا معاملہ آئے تو علماء سے مطمئن نہ ہوں یاد رکھیے کہ کسی بھی فن سے فائدہ اٹھانے کے صرف دو راستے ہیں تیسرا راستہ نہیں ایک یہ کہ کسی صحیح صاحب فن کی اتباع کریں یا یہ کہ خود اس فن کو ٹھیک حاصل کریں اسی وجہ سے جو لوگ نہ خود صحیح علم دین کی سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہی صحیح سمجھ رکھنے والوں کی اتباع کرتے ہوں آخرت میں عذاب کے مستحق ہوں گے اور کہیں گے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الآیہ) یعنی اگر ہم سنتے اور اتباع کرتے یا خود حق کی سمجھ رکھتے تو آج دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔

الہدیٰ انٹرنیشنل اور مغربی جدت پسند

جدت پسندوں کی ایک شاخ الہدیٰ انٹرنیشنل نامی ادارہ بھی ہے جس کی انچارج ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ ہیں جو مغربی ادارہ کے غیر مسلم دانشوروں سے اسلامی علوم کی ڈگری اور سند لے کر آئی ہیں اور قرآن مجید کے نام سے انٹرنیشنل سطح پر منظر عام پر آرہی ہیں اور قرآن مجید کی تفسیر کو موم کی ناک بنا کر اپنی مرضی کی تفسیر پر عمل پیرا ہیں کہ کہیں اجماعی مسائل کی مخالفت کرتے ہوئے قضاء نمازوں تک کا انکار کر بیٹھتی ہیں اور کہیں خواتین کو اپنے شوہروں اور والدین اور بڑوں کے ادب و احترام سے محروم کر دیتی ہیں، مگر انداز وہی جدت پسندوں والا ہے کہ اوپر سے منقش سانپ کی طرح اسلام اور نیک اعمال کا لیبل ہے اور اندر زہر چھپا ہوا ہے اس حالت میں اگر نیک بننے کے ساتھ ایک عقیدہ میں بھی بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے تو اس نیکی کا کیا فائدہ؟ جدت پسند حلقہ

میں شکوک وشبہات کے بیج بونا اور مسلمان ملکوں میں مغربی مفادات کا تحفظ کرنے والوں کو علمی ہتھیار فراہم کرنا ہے (اسی وجہ سے ان اداروں سے ڈگریاں جاری کرنے اور کامیابی ملنے کی بنیاد کبھی کمرشل سود کو جائز قرار دینے اور اس پر دلائل قائم کرکے مقالات لکھنے پر ہوتی ہے، کبھی تصویر کشی کے جائز قرار دینے پر، کبھی پردہ کے انکار پر، کبھی انشورنس اور خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت واباحت پر) اور اگر بہت زیادہ خوش گمانی سے کام لیا جائے تو ''علم برائے علم'' ہے اور یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ''علم برائے علم'' جو محض ''جاننے'' کی حد تک محدود رہ کر ''ماننے'' اور ''جھکنے'' سے ناآشنا ہو، انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ ایسا علم کائنات میں سب سے زیادہ ابلیس کو حاصل ہے، لیکن وہ اُسے ''کفر'' اور ''جہنم'' سے بھی نہیں بچا سکا اور جو علم انسان کو اپنے خالق ومالک تک پہنچا کر اسے ایمان بھی نصیب نہ کرسکے، اس پر خواہ مرغوب کُن ڈگریوں کا کیسا دلفریب خول چڑھا ہوا ہو، کارزارِ حیات میں وہ انسان کے کسی کام کا نہیں۔ اور یہیں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآنِ کریم جیسی کتابِ ہدایت بھی اگر سینے میں ''طلبِ حق'' کی کسک پیدا کیے بغیر پڑھی جائے تو انسان کو ہدایت نہیں پہنچاتی بلکہ اگر ''طلبِ حق'' کے بجائے دل میں ''استکبار'' اور ''خودرائی'' ہو تو اسی کتاب سے ہدایت کے بجائے گمراہی حصے میں آتی ہے، اور انسان منزل کا پتہ حاصل کرنے کے بجائے اپنی فکری اور عملی بے راہ روی میں اور پختہ ہوجاتا ہے۔ خود قرآنِ کریم نے فرمایا ہے: یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْرًا (سورۂ بقرہ) اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔

مستشرقین کے ان اداروں کا مقصد اور خواہ کچھ ہو، لیکن طلبِ حق نہیں ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ دن رات قرآن وسنت کا مشغلہ رکھنے کے باوجود اس کے حقیقی نور (ایمان ویقین اور اعمالِ صالحہ) سے محروم ہیں اور مقامِ عبرت ہے کہ کفر تک کی ظلمتوں سے نجات حاصل نہیں کرسکے۔

لیکن اس سے زیادہ عبرتناک مسلمان ملکوں کا یہ طرزِ فکر ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے کے

باوجود انہوں نے اسلامی علوم کے بارے میں بھی انہی اداروں کی ڈگریوں کو اپنے معاشرے میں بڑا اونچا مقام دے رکھا ہے اور مسلمانوں کو بھی مجبور کر رکھا ہے کہ اگر سرکاری سطح پر اسلامی علوم میں اپنی قابلیت منوانی ہے تو انہی اداروں میں پڑھ کر آؤ، اور ان لوگوں کے معیار پر پورے اترو جو ان اسلامی علوم سے ایمان اور عمل صالح کی دولت حاصل کرنا نہیں چاہتے گویا اسلام کا بھی وہی علم معتبر ہے جسے اسلام کی حقانیت سے انکار کرنے والے یہ غیر مسلم صحیح قرار دیں۔ ذہنی غلامی اور غیرت کے دیوالیہ پن کی یہ انتہا ہے جو آج بہت سے مسلم ملکوں میں ایک فیشن بنی ہوئی ہے۔ اسی بنیاد پر دین اور دین کے علوم میں مہارت و قابلیت کو جانچا جا رہا ہے اور ان سے کوئی یہ کہنے والا موجود نہیں کہ۔

کرمکِ ناداں! طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی ہستی کے تجلی زار میں آباد ہو

(ماخوذ از "جہان دیدہ" ص ۵۹۳ تا ۵۹۴ بتغییر بذیل "دیار مغرب میں تین ہفتے")

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایئے کہ جو لوگ دین و اسلام کے خطرناک ترین دشمن ہیں آج جدت پسند طبقہ نے انہی کو دین کا محافظ سمجھ رکھا ہے، اور مت مارے جانے کا حال یہ ہے کہ "مال کی حفاظت کا کام ڈاکوؤں سے" اور "دودھ کی رکھوالی کا کام بلی سے لیا جا رہا ہے"

ہدایت کے دو سلسلے کتابُ اللّٰہ و رجالُ اللّٰہ

معتبر و مستند علماء کرام کے بجائے ان مغربی اداروں، غیر مسلم دانشوروں سے دینی علم حاصل کرنے کا یہ طرزِ عمل تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقے سے ہٹا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ نے ابتداءِ آفرینش سے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے خاتم الانبیاء ﷺ تک ہمیشہ اور ہر زمانے میں علمی رہنمائی اور ہدایت کے لئے دو سلسلے جاری رکھے ہیں، ایک آسمانی کتابوں کا، دوسرے اس کی تعلیم دینے والے رسولوں کا، جس طرح صرف کتاب نازل فرما دینے کو کافی نہیں سمجھا، اسی طرح محض رسولوں کو بھیجنے پر بھی اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ دونوں سلسلے برابر جاری رکھے (ایسی مثالیں تو موجود ہیں کہ انبیاء علیہم السلام آئے اور کوئی نئی کتاب نہیں آئی، لیکن ایسی ایک بھی

مثال نہیں کہ کتاب آئی ہو، اور ساتھ کوئی نبی نہ آیا ہو) جس کی واضح وجہ یہ ہے کہ صحیح تعلیم و تربیت کے لئے نہ صرف کتاب کافی ہے اور نہ صرف معلم و مربی، بلکہ ایک طرف آسمانی ہدایات اور الٰہی قانون کی ضرورت ہے جس کا نام کتاب یا قرآن ہے، تو دوسری طرف ایک صحیح معلم اور مربی کی ضرورت ہے جو اپنی تعلیم و تربیت سے عام انسان کو آسمانی ہدایایت اور قانونِ الٰہی سے روشناس کرائے اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت قرآن مجید کی ہدایات اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہے کہ قوموں کی اصلاح و تربیت کے لئے ہر زمانے میں دو چیزیں ضروری ہیں (۱) قرآنی ہدایات اور ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کا سلیقہ حاصل کرنے کے لئے (۲) ماہرینِ شریعت اور اللہ والوں کی تعلیم و تربیت، اور تعلیم و تربیت کے لئے یہ اصول دین اور دینیات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ علوم وفنون کی صحیح تحصیل اسی پر موقوف ہے کہ ایک طرف ہر فن کی بہترین کتابیں ہوں تو دوسری طرف معتبر ماہرین کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو، ہر علم وفن کی ترقی و تکمیل کے یہی دو بازو ہیں، مگر جدت پسند طبقہ نے دین کا معاملہ سب سے سستا اور ہلکا سمجھ لیا ہے اور اس میں ہر قسم کی قید اور شرائط کو اڑا دیا گیا ہے یہاں تک کہ غیر مسلم دانشوروں اور فاسقوں و فاجروں کو اپنا معلم و مربی بنانے والوں سے دین سیکھنے کو بھی کوئی عیب خیال نہیں کیا جاتا۔ آپ ﷺ کے بعد آپ کے سچے وارثین علماء حق ہیں وہی کتاب اللہ کی تعلیم و تربیت کے صحیح حق دار اور مستحق ہیں نہ کہ غیر مسلم دانشور اور مغربی ادارے مگر جدت پسند طبقہ اور الہدیٰ انٹرنیشنل کے ذمہ داروں کی سوچ یہ ہے کہ بنیادی علم تو درکنار آسمانی کتاب تک کے لئے نہ ماہر علماء کی ضرورت ہے اور نہ تربیت یافتہ مشائخ کی حاجت ہے۔ جس کا نتیجہ گمراہی اور آہستہ آہستہ دین وملت سے نکلنے کی شکل میں نکلتا ہے کیونکہ صحیح علم و ہدایت کا ماہر علماء و مشائخ سے تعلیم و تربیت پائے بغیر حاصل ہو جانا انسانی فطرت کے خلاف ہے، جس کا نتیجہ بجائے فائدہ اٹھانے کے نقصان اور بجائے اصلاح کے فساد کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ ایسا کرنے والا یقیناً غلط فہمیوں کا شکار ہوتا ہے، اور یہ غلط فہمی بعض اوقات اس کو دین وملت سے بالکل نکال دیتی ہے

(معارف القرآن ج ا ص ۳۳۶ تا ۳۳۸ بتغییر وتلخیص)

ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ (انچارج الہدیٰ انٹرنیشنل) ماہر دینی اساتذہ کے بجائے غیر مسلم

دانشوروں سے سند لے کر اور خود مطالعہ کر کے پوری دنیا میں مفسر قرآن کے نام پر طواف کر رہی ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ قرآن کی خدمت ان سے زیادہ آج کے دور میں کوئی نہیں کر رہا (باوجودیکہ محترمہ علم تفسیر کے الف۔ بے کے اصولوں تک سے واقف نہیں) اس خدمت کی مثال تو ایسی ہے جیسے ریچھ نے اپنے مالک کے چہرے سے مکھی مارنے کے لئے پتھر مار کر انجام دی تھی اور کسی بوڑھی خاتون نے بادشاہ کے باز کے پیر اور چونچ ٹیڑھے دیکھ کر کھانے پینے اور چلنے کی زحمت سے بچانے کے لئے قینچی سے تراش ڈالے تھے۔

قرآن مجید کی تفسیر کے لئے ضروری شرائط

جدت پسند اور الہدیٰ انٹرنیشنل سے منسلک افراد ایک سالہ ڈپلومہ اور سمر کورس کر کے یا تھوڑا بہت مطالعہ خود کر کے قرآن مجید کا درس اور تفسیر بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کا یہ طرز عمل نہایت خطرناک اور گمراہ کن ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ مشہور تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں

> افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شدھ بدھ رکھنے والے لوگ جنہیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کر کے اپنے کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے، خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم وفنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل

سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اُسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کر سکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی ہو، اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی بھی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کر سکتا، اس لئے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آ سکتا، بلکہ اس کے لئے ماہر اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے، جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن وحدیث کے معاملہ میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کیسے کافی ہو سکتا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں ہر شخص اس اصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم وفن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں، جنھیں پورا کئے بغیر اس علم وفن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی، تو آخر قرآن وسنت اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لئے کسی علم وفن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کر دے؟ (معارف القرآن ج ا ص ۵۳ تا ۵۵ بتغیر)

جدت پسند اور الہدیٰ انٹرنیشنل کا طبقہ جو اسلام کی نئی تعبیر کا دعوے دار ہے، قرآن وحدیث کا ترجمہ اور تھوڑی بہت تشریح اور تفسیر پڑھ کر مجتہد اعظم اور اسلام کا بہت بڑا ذمہ دار بن جاتا ہے اور بڑے بڑے محدثین، مجتہدین، فقہاء، صلحاء، علماء، یہاں تک کہ صحابہ کرام تک پر تنقید سے گریز نہیں کرتا حالانکہ قرآن کریم کی تفسیر اور اس سے احکام وقوانین کا استنباط ایک بہت وسیع اور لمبا موضوع ہے، اور اس کے مکمل اصولوں کو سمجھنے کے لئے عربی زبان وادب، نحو وصرف، بلاغت اور حدیث وفقہ وغیرہ جیسے علوم سے واقفیت ضروری ہے، علمِ اصولِ فقہ کا زیادہ تر حصہ قرآن مجید سے احکام وقوانین مستنبط اور اخذ کرنے کے اصولوں پر ہی مشتمل ہے، اور جو شخص اس موضوع کا مفصل علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کے لئے علمِ اصولِ فقہ کو ماہر اساتذہ سے پڑھنا

ضروری ہے یقیناً اس سے جدت پسند اور الہدیٰ کی انچارج فرحت نسیم ہاشمی اور ان کی معلمات قطعی طور پر محروم ہیں اور اگر ان کے پاس یہ علوم ہیں تو ہم ان کو چیلنج کرتے ہیں کہ عوام میں ان علوم پر صحیح روشنی ڈالیں اور اپنی لیاقت اور پوزیشن واضح کریں (علوم القرآن ص ۳۰۷ بتغیر)

کیا براہِ راست قرآن مجید سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات ہے؟

جب تجدد پسند طبقہ کے افراد اور الہدیٰ انٹرنیشنل کی ناواقف خواتین سے کہا جاتا ہے کہ مکمل علم دین حاصل کیے بغیر قرآن فہمی کی اجازت نہیں تو ان کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ''یعنی بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے''

اور جب قرآن کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں، لیکن ان حضرات کا یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مثلاً دنیا کی ناپائداری، جنت ودوزخ کے حالات، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا کرنے والی باتیں، اور زندگی کے دوسرے سیدھے سادے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہو وہ انھیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ لِلذِّكْرِ (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کر رہا ہے، اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کما حقہ، سمجھنا اور ان سے احکام ومسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، اور عربی سمجھنے کے لئے انہیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں خرچ کرتے تھے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعروادب میں کامل مہارت رکھتے تھے، اور جن کو لمبے لمبے عربی کے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر یاد ہوجایا کرتے تھے، انہیں قرآن مجید کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ کئی کئی سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہوجائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن مجید اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عربی زبان کی مہارت اور نزولِ وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود "عالمِ قرآن" بننے کے لئے باقاعدہ حضور ﷺ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو نزولِ قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شدبد پیدا کرکے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسرِ قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم ودین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ [۱] ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکارِ دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ: "مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ فِی النَّارِ" "جو شخص قرآن کے معاملہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا

---

[۱] اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ پھر قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کی کوئی بھی صورت عام لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے، بلکہ ترجمہ پڑھنے کے لئے کچھ شرائط ہیں جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے نہایت جامع ومختصر انداز میں تحریر فرمائی ہیں وہ یہ ہیں (۱) تعلیم کنندہ عالم کامل وحکیم عاقل ہو کہ ترجمہ کی تقریر اور مضامین تفسیر کے انتخاب میں مخاطب کے فہم کی رعایت رکھے (۲) متعلم خوش فہم ومنقاد ہو معجب بالرائے وخود پسند نہ ہو کہ تفسیر سمجھنے میں غلطی نہ کرے اور تفسیر بالرائے کی جرأت نہ کرے (۳) اگر کوئی مضمون متعلم کے تحمل فہم سے بالاتر ہو اس میں معلم اس کو وصیت کرے کہ اس مقام کا ترجمہ محض تبرکاً پڑھ لو یا اجمالاً اس قدر سمجھ لو اور آگے تفصیل میں فکر مت کرو اور وہ متعلم بھی اس کو قبول کرے اسی طرح اگر معلم اوصاف مذکورہ نمبر (۱) کا جامع میسر نہ ہو تو وہ بھی ایسے مقامات کی بالکل تقریر نہ کرے صرف ترجمہ کی عبارت پڑھا وے چنانچہ ہمارے قصبات میں اکثر لڑکیاں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھتی ہیں مگر اس طرح کہ صرف عبارت پڑھ لی نہ معلمہ تفسیری تقریر کرتی ہے نہ متعلمہ اس کی تحقیق محض برکت حاصل کرنا اور بے تکلف جتنا اجمالاً سمجھ میں آجاوے اس کا سمجھ لینا مقصود ہوتا ہے، اس کے بعد یہ مبتدی جب قابل تفسیر سمجھنے کی ہوجاویں خواہ کچھ کتابیں پڑھنے سے خواہ معلومات کی وسعت سے خواہ علماء کی صحبت سے اس وقت مکرر کسی عالم محقق سے ترجمہ مع حل کے پڑھ لیں۔ ابتدائی پڑھنے پر کفایت نہ کریں (بوادر النوادر ص ۳۳۳)

ٹھکانا جہنم میں بنالے'' (ابوداؤد، ازاتقان ج ۲ص ۱۷۹) اور ''مَنْ تَکَلَّمَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ'' جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہدے تب بھی اس نے غلطی کی (ابوداؤد، نسائی ازاتقان ج ۲ص ۱۷۹) (معارف القرآن ج ۱ص ۵۳ تا ۵۵ بتغیر واضافہ)

جدت پسند طبقہ کے اسی طرح کے ایک نااہل شخص نے سورۃ بقرہ کی تفسیر لکھی ہے۔ یہ جاہل مفسر اس قابل ہے کہ بقرہ (یعنی گائے) کی طرح ہی ذبح کردیا جائے۔ ظالم نے تمام عبادات کو سیاسیات بنادیا ہے کہ نماز روزہ سب سیاسیات کے لئے ہیں۔ نماز میں پریڈ کی تعلیم ہے۔ تاکہ افسر کی اطاعت کرنا آجائے اگر وہ اٹھنے کو کہے اٹھو۔ بیٹھنے کو کہے بیٹھو۔ جھکنے کو کہے جھک جاؤ اور اسی واسطے نماز میں امام مقرر کیا جاتا ہے۔ تاکہ سب اس کے افعال کی اطاعت واتباع کریں۔ جس سے پریڈ کے وقت افسر کی اطاعت کی مشق ہوگی۔ روزہ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے تاکہ جنگ میں فاقہ اور بھوک اور پیاس کی برداشت اور تحمل ہوسکے۔ کیونکہ جنگ میں بعض دفعہ کھانے کو نہیں ملتا۔ حج بھی اسی واسطے ہے تاکہ مسلمان سفر کے عادی ہوں۔ اور گھربار چھوڑنا ان پرگراں نہ رہے۔ اور حج کے لئے احرام بھی اسی واسطے ہے تاکہ ترک زینت کی عادت ہو۔ ایک تہبند اور ایک چادر میں سردی گرمی کی برداشت کے عادی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ گویا کوئی عبادت اللہ کی یاد اور عبادت وبندگی کے لئے نہیں ہے۔ بس ساری شریعت میں ملک گیری وسیاست ہی کی تعلیم ہے۔ نماز روزہ اور حج سے آج تک یہ مقصود کسی نے نہ سمجھا تھا۔ یہ باتیں فرصت میں بیٹھ کر اس جاہل مجتہد اور جدت پسند شخص نے گھڑی ہیں۔ اور کھینچ تان کر قرآن وحدیث کو ان پرفٹ کیا ہے۔ مگر ہمارے جاہل مسلمان ہیں کہ اس قسم کی تفسیروں پرفدا ہیں کیونکہ وہ اچھے کاغذ پرچھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور جلد بھی خوبصورت ہوتی ہے اور مزاج کے بھی موافق ہوتی ہے کہ اس میں آزادی ملتی ہے۔ اور آج کل کتاب کی خوبی اسی میں رہ گئی ہے کہ عمدہ چھپی ہوئی ہو۔ ٹائٹل خوبصورت ہو اور مزاج کے موافق ہو۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کے اندر کیا بھرا ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک صندوق نقش ونگار سے آراستہ ہو۔ اور اس کے اندر سانپ بند ہو۔ خریدنے والا اوپر کے نقش ونگار سے فریفتہ ہوکر اسے خریدتا ہے۔ مگر جب کھولیگا اس وقت

حقیقت ظاہر ہوگی۔ یہ ممکن ہے کہ یہ لوگ ان تاویلوں سے مخلوق کو دھوکہ میں ڈال دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ تاویلیں نہ چلیں گی۔ اس لئے وہ تاویل کرو جو اللہ کے سامنے بھی بیان کر سکو (ارضاء الحق حصہ دوم ص ۳۰، اشرف الجواب ص ۵۶۵ تا ۵۶۶ بتغیر)

جدت پسند طبقہ اور الہدیٰ انٹرنیشنل سے منسلک افراد نے نااہلی کے باوجود قرآن کے نام پر اجتہاد کا بازار گرم کر رکھا ہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ ان کی طرف سے سامنے آتا رہتا ہے۔
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ ایسے ہی نااہل مجتہدین کے بارے میں فرماتے ہیں:

بعض مدعی اجتہاد (یعنی اجتہاد کا دعویٰ کرنے والے) اس زمانہ میں ایسے ہیں کہ (قرآن رحدیث کا) صرف ترجمہ دیکھ کر اجتہاد کرتے ہیں۔ اجتہاد کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تحریف کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے یہ رائے دی تھی کہ اب وضو کی ضرورت نہیں۔ اس وجہ سے کہ وضو سے مقصود تطہیر اعضاء (یعنی اعضاء کو پاک، صاف کرنا) ہے اور ہم لوگ اس زمانہ میں ویسے ہی (بغیر وضو کے) صاف ستھرے رہتے ہیں۔ اس لئے اب کیا ضرورت ہے وضو کی؟ پہلے زمانہ میں گردوغبار پڑتا رہتا تھا، میلے کچیلے رہتے تھے، اس لئے وضو کی ضرورت تھی۔ اب ہم آئینوں کے مکانوں میں رہتے ہیں۔ گردوغبار پاس کو بھی نہیں آتا۔ تو اب وضو کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ان صاحب نے اجتہاد کیا۔ یا تو اس قدر اجتہاد کا زعم (وگھمنڈ) اور یا اس طرف التفات (وتوجہ) بھی نہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب رحمہ اللہ ایک بیرسٹر کا قصہ سناتے تھے کہ اُس نے ان سے یہ کہا کہ علماء کو چاہئے کہ جمع ہو کر سود کی حلت کا فتویٰ دے دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ علماء کے گھر کی بات تھوڑا ہی ہے کہ جیسے چاہیں پھیر لیں۔ سود کی حرمت تو کلام اللہ میں منصوص (اور صاف واضح) ہے۔ کلام اللہ کے خلاف کون جرأت کر سکتا ہے؟ اس پر آپ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ کیا سود کی حرمت قرآن شریف میں ہے؟ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ دیکھئے یہ حال ہے ان لوگوں کی اجنبیت کا قرآن سے کہ

اعلیٰ درجہ کی لیاقت کے بیرسٹر تھے اور مولوی بھی کہلاتے تھے، مگر اتنی خبر نہ تھی کہ یہ قرآن کا مسئلہ ہے لیکن چونکہ مسلمان تھے اس وجہ سے معلوم ہونے کے بعد اپنے منہ پر طمانچے مارے اور بہت نادم (وشرمندہ) ہوئے، سو آج کل کے عقلاء دعویٰ تو اجتہاد کا کرتے ہیں مگر ان کی اجنبیت کا قرآن سے یہ حال ہے۔ایک اور قصہ ہے کسی معقولی کا کہ ان سے ایک دفعہ لوگوں نے کہا کہ کچھ بیان کیجئے۔آپ نے نماز کا بیان شروع کیا۔ کچھ یاد تھا نہیں۔ بہت سوچ کر آپ نے فرمایا کہ آج کل لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ نماز نہیں پڑھتے، حالانکہ قرآن شریف میں ہے "مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَدْ کَفَرَ" (یعنی جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کافروں والی حرکت کی) اس پر کسی نے ان حضرت کو ملامت کی کہ آپ نے اسے قرآن شریف میں کیسے بتلا دیا (یہ تو قرآن مجید کے الفاظ نہیں بلکہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں) تو آپ تعجب سے فرماتے ہیں کہ کیا یہ قرآن کی آیت نہیں ہے؟ یہ حالت رہ گئی ہے اس زمانہ میں۔ یہ بھی خبر نہیں کہ یہ قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے۔اس حالت پر اندیشہ ہے کہ قیامت کو رسول اللہ ﷺ یوں نہ فرمانے لگیں: "یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا" کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا تھا (معلوم ہوا کہ قرآن پڑھ کر اس طرح کا اجتہاد کرنا بھی قرآن چھوڑنے اور ترک کرنے میں داخل ہے) (خطبات حکیم الامت ج ۱۰ فضائل صوم وصلوٰۃ وعظ الصلوٰۃ ص ۱۹ تا ۲۰)

الہدیٰ انٹرنیشنل والوں کی طرف سے بطور خاص قرآن مجید کا براہ راست ترجمہ وتفسیر پڑھنے پڑھانے کو تو بہت اہمیت دی جاتی ہے، اور اسی کا نام ان کے نزدیک علم دین رہ گیا ہے، علم دین کے سارے فضائل اور اہمیت اسی کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کے علوم کے فضائل اپنی جگہ مگر ان کے مکمل اور صحیح حصول کے لئے علم دین میں مہارت وبصیرت ضروری ہے جس کے بغیر فوائد کے بجائے نقصانات زیادہ ہیں اور ہر شخص کے ذمہ نہ پورا عالم بننا ضروری ہے۔ اور نہ ہی ممکن ہے، لہٰذا ضروری تھا کہ براہِ راست قرآن مجید کے بجائے فرض عین اور ضروری علم

دین کی طرف قوم کو متوجہ کیا جاتا اور عام مسلمانوں میں اس کو عام کرنے اور پھیلانے کی کوشش کی جاتی مگر الہدیٰ کے ذمہ داروں سے دین کی یہ اہم خدمت تو نہ ہو سکی اور اس کے بجائے قرآن کی مجتہد خواتین تیار کرنا شروع کر دیں۔

مفسرِ قرآن مجدد ملت اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے مختلف موقعوں پر اسی غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے جو انہی کے الفاظ میں ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

قرآن شریف میں کفار کے بارے میں جا بجا ارشاد ہے کہ یہ قرآن کو سنتے نہیں، بہرے ہیں۔ حالانکہ آواز تو ان کے کانوں میں بھی پہنچتی تھی بلکہ سننا اس کا نام ہے کہ مضمون سن کر اس میں تدبر (غور) کیا جائے، پھر عمل کیا جائے۔ سورہ ص میں صاف صاف مذکور ہے کہ ہم نے قرآن تدبر و تذکر ہی کے واسطے نازل کیا ہے۔ قال تعالیٰ:

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورہ ص آیت ۲۹) (ترجمہ: یہ کتاب بابرکت ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں۔ تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں)

اور بھی جا بجا قرآن شریف میں تدبر نہ کرنے کی شکایت ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (سورۂ نساء آیت ۸۲) (ترجمہ: یہ لوگ قرآن پاک میں کیوں تدبر نہیں کرتے)

ہم لوگوں میں بڑی کمی یہ ہے کہ قرآن شریف میں تدبر نہیں کرتے اس کا مطلب لوگ یہ سمجھے ہوں گے کہ ترجمہ قرآن دیکھنا چاہئے۔ مگر صرف اتنا کافی نہیں کیونکہ جو لوگ ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں ان میں بھی یہ کمی موجود ہے کہ وہ تدبر نہیں کرتے اور محض سرسری طور پر اس کو پڑھ جاتے ہیں۔ اب آپ کہیں گے کہ پھر کیا مطلب ہے؟ کیا سب مسلمانوں کو مولوی بن جانا چاہئے؟ نہیں صاحبو! میں آپ کو مولوی بننے کی صلاح (مشورہ) نہیں دیتا بلکہ مقصود یہ ہے کہ قرآن میں سے جو ضروری حصہ عمل کے لئے علماء نے مدوّن کر دیا ہے۔ جس کا نام علمِ عقائد و علمِ اخلاق و علمِ فقہ ہے آپ لوگ اس میں توجہ نہیں کرتے۔ قرآن میں تدبر کرنے کے یہی معنی

نہیں کہ قرآن سامنے رکھ کر ہی اس میں غور کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی تدبر فی القرآن (قرآن مجید میں غور وفکر کرنے) میں داخل ہے کہ جن کتابوں میں مضامینِ قرآن مذکور ہیں ان میں غور ومحنت سے کام لیا جائے اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں میں (ہر ایک کا) ترجمہ نہ جاننا کوئی کمی نہیں کیونکہ ترجمہ قرآن ہر شخص نہیں جان سکتا اس لئے کہ ہر شخص کو مولوی بننا تو دشوار ہے۔

اور جو طریقہ مشہور ترجمہ دیکھنے کا ہے کہ قرآن مترجم لے کر دیکھ لیا اس کو میں خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ یہ طریقہ ناکافی ہے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ ترجمہ اردو کا مطالعہ بھی میں سچ کہتا ہوں کہ بجز عالم (سوائے عالم) کے کسی کا کام نہیں۔ بہت سے واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ ترجمہ دیکھنے والوں کو بہت سے مضامین کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔ کیونکہ بہت سے مضامین کا سمجھنا مبادی (قرآن کے ابتدائی علوم) پر موقوف ہوتا ہے اور مبادی قرآن صرف ونحو وبلاغت وناسخ ومنسوخ واصول فقہ وغیرہ ہیں۔ جب تک کوئی شخص مبادی سے جاہل ہے وہ ان مضامین کو کس طرح سمجھ لے گا جو کہ ان پر موقوف ہیں۔ پھر مصیبت یہ ہے کہ آج کل پوچھنے کی عادت بھی لوگوں میں کم ہے اگر کہیں شبہ پڑتا ہے تو اکثر تو اپنی رائے سے اس کا مطلب تراش لیتے ہیں جس سے اکثر عقیدے فاسد ہو جاتے ہیں

مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عوام کو مضامینِ قرآن سے فیض یاب ہونے کا کوئی طریقہ نہ رہا اس کا جواب ایک تو میں پہلے دے چکا ہوں کہ جو کتابیں سلیس مضامین میں لکھی گئی ہیں ان کا مطالعہ تدبر کے ساتھ کیا جائے نیز جو لوگ مضامینِ قرآن اور علومِ حقہ اپنے وعظ میں بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کا وعظ غور کے ساتھ سنا جائے علاوہ ازیں نفسِ ترجمہ بھی قرآن سے متمتع ہونے کا ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ آج کل دو قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جن کو تحصیلِ علوم کے لئے فراغت مل سکتی ہے ان کو تو چاہئے کہ بنام خدا اول مبادیِ قرآن (یعنی قرآن فہمی کے لئے ضروری علوم مثلاً نحو وصرف وغیرہ) محنت سے حاصل کریں پھر ترجمہ قرآن دیکھیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کو اس قدر

فراغت نہیں میسر ہوسکتی ان کو چاہئے کہ پہلے کسی معتبر عالم سے مشورہ کریں کہ مجھے ترجمہ قرآن کون سالینا چاہئے۔کون ساترجمہ قرآن صحیح اور معتبر ہے۔اپنی رائے سے خود تعین نہ کریں لوگوں نے آج کل تراجم کے لئے خود ہی ایک معیار مقرر کرلیا ہے.........جو شخص ان علوم سے (جو قرآن سمجھنے کے لئے ضروری ہیں) خود ہی واقف نہیں اور نہ کسی (معتبر عالم) واقف سے پڑھتا ہے وہ اگر خالی ترجمہ دیکھے گا تو اندیشہ ہے کہ وہ مرجیہ وقدریہ (جیسے باطل فرقوں) کا ہم عقیدہ ہوجائے گا۔ کیونکہ ہر فن و ہر کتاب کی خاص اصطلاحیں ہوتی ہیں جو محض ترجمہ سے بدوں (بغیر ماہر) استاد کے بتلائے حل نہیں ہوسکتیں۔ یہ شخص قرآن کا مطلب ویسے ہی سمجھے گا جیسا کہ کسی شخص نے گلستان (شیخ سعدی کی کتاب) کے اس شعر کا مطلب سمجھا تھا۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی

(دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا پریشانی وعاجزی کی حالت میں ہاتھ پکڑ لے)

اس شخص نے بھی اس شعر کا محض ترجمہ دیکھا تھا کہ دوست وہ ہے کہ پریشان حالت و خستگی میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔اس نے ترجمہ ہی پر عمل کیا کہ ایک روز کسی موقع پر اپنے ایک دوست کو پٹتے ہوئے دیکھا تو اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے دشمن نے اور جی کھول کر اسے پیٹا اس نے ہر چند ہاتھ چھڑائے مگر اس نے نہیں چھوڑے۔ جب وہ خوب پٹ چکے اور مارنے والے نے بھی تھک ہار کر چھوڑ دیا تو اس دوست کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اس نے اسے بہت بُرا بھلا کہا کہ ایسے وقت میں امداد تو نہ ہوسکی اور الٹا دوستی کا یہ حق ادا کیا کہ میرے ہاتھ بھی پکڑ لئے۔

اب یہ حیران ہے کہ میں نے تو شیخ سعدی رحمہ اللہ کے کہنے کے موافق دوستی کا حق ادا کیا تھا یہ خفا کیوں ہوتا ہے اور اس سے کہا کہ بھائی میں نے تو دوستی کے حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی، میں نے تو وہی کیا جو گلستان میں شیخ فرماتے ہیں، دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست الخ (دوست وہی ہے جو دوست کا ہاتھ پکڑے) تو صاحبو! اس شخص نے ترجمہ میں کوئی غلطی نہیں کی تھی البتہ ایک کمی کی تھی کہ جائے استاد خالی

ست (استاد کی جگہ خالی ہے) اس نے ترجمہ خود ہی دیکھا تھا کسی سے پڑھا نہیں تھا پس جب گلستان سمجھنے کے لئے باوجودیکہ وہ کوئی بڑی علمی کتاب نہیں محض دیکھنا بعض عقلاء کو غلطی میں ڈالدیتا ہے تو قرآن کا ترجمہ دیکھنا کیونکر کافی ہوجائے گا اور اس میں غلطی کا کیوں احتمال نہ ہوگا؟ (وعظ مراد ص ۲۳ تا ۹ ملخصاً)

اور الہدیٰ انٹرنیشنل جیسی خواتین کے بارے میں فرماتے ہیں:

جس بی بی نے الٹا سیدھا ترجمہ بھی قرآن شریف کا پڑھ لیا تو اس کا کچھ پوچھنا ہی نہیں تو وہ تو اپنے محلّہ کی علامہ سمجھی جاتی ہیں؟ کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی ہیں "اندھوں میں کانا راجہ" تمام محلّہ کی امامت ان کو مل جاتی ہے۔ مسئلہ مسائل مولوی کو چھوڑ کر ان ہی سے پوچھے جاتے ہیں حتی کہ بیماریوں کے علاج میں بھی پہلے ان ہی کی پوچھ ہوتی ہے محلّہ والیاں کہا کرتی ہیں اری فلانی کے گھر میں جاکر دوا پوچھ آ وہ بی بی بڑی علم والی ہیں...... خوب یاد رکھئے کہ عورتوں کو ترجمہ پڑھانے میں بڑی خرابیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن میں بہت سی باریک باتیں ہیں جن کے سمجھانے کی ضرورت ہے اور ترجمہ کی حقیقت یہ ہے کہ عربی کے ایک لفظ کی جگہ اردو کا ایک لفظ رکھ دیا جائے گا اگر اردو کا ایک لفظ مطلب سمجھنے کے لئے کافی ہوتا تو عربی کا ایک لفظ بھی ان لوگوں کے لئے کافی ہوتا جو عربی زبان جانتے ہیں اور استاد کی اور کتابوں کی ضرورت نہ ہوتی حالانکہ یہ بالکل خلاف واقع ہے تو اس ترجمہ پڑھنے سے عورتوں کو کیا نفع ہوسکتا ہے بلکہ خرابیاں پیدا ہوگی...... ایک بی بی تھیں کہ انہوں نے سارے قرآن شریف کا ترجمہ حفظ کرڈالا تھا بس اب کیا تھا انکی ثانی کوئی عورت کاہے کو نکل سکتی تھی وہ بی بی اپنے آپ کو علامہ دہر سمجھتی تھی حتی کہ ایک روز کسی مولوی سے ایک مسئلہ سنا تو کہا غلط بیان کیا قرآن شریف میں کہیں اس کا پتہ نہیں۔ اور ایک خرابی یہ ہے کہ ترجمہ بغیر علمِ عربی کے طوطے کی طرح رٹا دینے سے کبھی یاد نہیں رہ سکتا کبھی کبھی کچھ الفاظ ذہن سے اڑ جائیں گے اور سب ترجمہ گڑبڑ ہوجائے گا اور طرح طرح کی غلطیاں واقع ہوں گی تو عجب نہیں فائدے سے نقصان زیادہ ہو اس سے

بہتر یہ ہے کہ جتنی محنت ترجمہ کے رٹانے میں کرائی جائے بجائے اس کے ان کتابوں کے پڑھانے میں کرائی جائے جن میں قرآن شریف سے نکال کر احکام لکھ دیئے گئے ہیں اس میں غلطی کا احتمال نہیں بلکہ محنت بھی کم ہے۔ ۱؎ (خطبات ج ۲۲ ص ۱۷ تا ۱۸ بعنوان ذکر و فکر وعظ تفصیل الذکر)

۱؎ محض ترجمہ دیکھنے سے یہ باتیں تھوڑا ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ ترجمہ دیکھنے والے تو بناء الفاسد علی الفاسد کریں گے کہ ایک لفظ کا ترجمہ اپنے محاورہ کے موافق کر لیا پھر قرآن پر اشکال کرنے لگے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تراجم قرآن بیکار ہیں اور ان کا پڑھنا جائز نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ترجمہ پڑھنے سے علم قرآن حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ترجمہ دان عالم ہو جاتا ہے بلکہ عالم وہ ہے جو قرآن کو اسی زبان میں سمجھتا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور یہ کچھ قرآن ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر کتاب کا علم جبھی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس کو اسی کتاب کی زبان میں حاصل کیا جائے۔ محض ترجمہ دیکھنے سے کسی کتاب کا بھی علم حاصل نہیں ہو سکتا (مواعظ میلاد النبی خطبات ج ۵ ص ۲۹۵ تا ۲۹۹)

اب لوگ نرا ترجمہ دیکھ دیکھ کر قرآن دان ہو گئے۔ صاحبو! یا تو علوم مذکورہ میں متبحر ہو کر قرآن کے سمجھنے کی کوشش کرو ورنہ پھر یہ ضروری ہے کہ نہ ترجمہ دیکھو نہ تفسیر کیونکہ جہل بسیط جہل مرکب سے اچھا ہے۔ جہل بسیط میں جاہل کو اپنی فہم پر اعتماد تو نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کی تقلید کرتا ہے اور جہل مرکب میں اپنی فہم پر اعتماد ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے کو عالم سمجھتا ہے حالانکہ واقع میں جاہل ہے۔ البتہ اگر معتبر کسی عالم سے ترجمہ سبقاً سبقاً پڑھ لو تو انشاء اللہ تعالیٰ ان خرابیوں سے حفاظت رہے گی (مواعظ میلاد النبی خطبات ج ۵ ص ۲۹۶ تا ۲۹۹) ترجمہ کے لئے خود عربی کا بھی پوری طرح جاننا اور اس زبان کے محاورات سے بھی جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے پورا واقف ہونا ضروری ہے (خطبات ج ۲۲ بعنوان ذکر و فکر وعظ زکوۃ النفس ص ۲۰۷)

فہم قرآن کے لئے عربی جاننے کی سخت ضرورت ہے۔ بدون زبان عربی کا کافی علم حاصل کئے قرآن کا صحیح ترجمہ سمجھ میں نہیں آسکتا اردو میں جب عربی زبان کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو چونکہ اردو اور عربی زبانیں مختلف ہیں دونوں کے محاورات الگ ہیں اس لئے اگر کسی کو عربی علم کافی نہیں اس کے ترجمہ میں بعض جگہ ابہام رہ جائے گا جس سے شبہات پیدا ہوں گے اور بعض جگہ ترجمہ غلط ہو جائے گا (خطبات ج ۲۲ بعنوان ذکر و فکر وعظ زکوۃ النفس ص ۲۰۹)

نی ترجمہ بیگم کا سر سلامت چاہئے انہوں نے گھروں کے اندر بھی باریک سے باریک مسائل کو پہنچا دیا ہے ترجمہ کو اردو میں دیکھ کر ایسا آسان سمجھا جاتا ہے کہ کسی سے اسے پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے اور اس سے بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ طب کی کتابیں بھی تو اردو میں ہو گئی ہیں پھر چاہئے کہ معالجہ کو بھی ایسا ہی سہل سمجھا جائے جیسا حدیثوں کو ترجمہ سے سہل سمجھ لیا گیا تو بس خود علاج کر لیا کریں اور طبیب کی طرف رجوع کی ضرورت نہ سمجھی جائے یا قانون بھی اردو میں موجود ہے تو چاہئے کہ وکیل کی بھی ضرورت نہ سمجھیں حالانکہ ہم نے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ ایک نسخہ کام کا بھی کتاب میں دیکھ کر بلا طبیب کے مشورہ کے یا ایک کرایہ نامہ بھی بلا مشورہ وکیل کے لکھا ہو۔ کوئی وجہ فرق تو بیان کی جائے بس فرق یہی ہے کہ دنیا کے کاموں کی وقعت ہے ان میں بدون (بغیر) مہارت کاملہ کے دخل دینا پسند نہیں کرتے اور دین کی وقعت ہے نہیں اس میں ہر شخص مجتہد بنا ہوا ہے۔ بہر حال ظاہر میں اس حدیث کے ترجمہ کو دیکھ کر ضرور یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اگرچہ کیسے ہی گناہ کرے جب بھی جنت میں جائے گا اور پھر گناہوں میں سے بھی زنا اور سرقہ کا نام لیا گیا جو کبیرہ اور متفق علیہ گناہ ہیں۔ پھر اس کی ساتھ حدیث کا اردو ترجمہ سہل ہے بس اب اس کے متعلق کسی سے پوچھنے اور مشورہ کرنے کی کیا ضرورت رہی (خطبات ج ۲۲ بعنوان ذکر و فکر وعظ الانصاف ص ۸۲ تا ۸۳)

ضروری علمِ دین کیا ہے؟

اب یہ سوال باقی ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے ضروری اور فرض علمِ دین کونسا ہے اور اس کی کیا تفصیل ہے؟ اس سلسلہ میں مختصر وضاحت کی جاتی ہے، تاکہ مسلمانوں کو اس بارے میں صحیح آگاہی حاصل ہو اور وہ رسمی علم کے بجائے حقیقی اور ضروری علم حاصل کرنے کی فکر کریں۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (کنز العمال ،جامع صغیر ، ابن ماجه)[1]

ترجمہ: علم کا طلب کرنا فرض ہے ہر مسلمان پر (خواہ وہ مرد ہو یا عورت)

فائدہ: جب علم کا طلب اور حاصل کرنا فرض ٹھہرا تو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ فرض کا چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے، اس سے مراد علم دین کا صرف وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ فرائض وواجبات وغیرہ ادا کرسکتا ہے اور نہ حرام وممنوع چیزوں سے بچ سکتا ہے اور جاننا چاہئے کہ جس کام کا کرنا بندہ پر فرض ہے اس کام کے کرنے کا طریقہ بھی سیکھنا اس کے ذمہ فرض ہے اور جس کام کا کرنا واجب ہے، اس کا طریقہ سیکھنا بھی واجب ہے، اسی طرح جس کام کا کرنا سنت ہے، اس کا طریقہ سیکھنا بھی سنت ہے، اور اس کے برعکس جو کام حرام ہیں ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے یہی حال پاکی وناپاکی کا ہے کہ اس کا علم حاصل کرنا بھی اپنے اپنے اعتبار سے ضروری ہے، پیشاب، پاخانہ کی ضرورت ہر ایک کو پیش آتی ہے، اسی طرح کم وبیش ہر بالغ عورت کو حیض ونفاس وغیرہ سے بھی سابقہ پڑتا ہے لہٰذا ان

---

[1] کنز العمال ج ۱۰ رقم ۲۸۶۵۱ ،جامع صغیر ج ۴ رقم حدیث ۵۲۶۴ بحواله ابن عدی فی الکامل بیهقی فی شعب الایمان وطبرانی فی الاوسط والکبیر وخطیب فی التاریخ ، تصحیح السیوطی صحیح ، وفی فیض القدیر :وقال السیوطی جمعت له خمسین طریقا وحکمت بصحته لغیره ولم اصحح حدیثا لم اسبق لتصحیحه سواه وقال السخاوی : له شاهد عندابی شاهین بسند رجاله ثقات عن انس ورواه عنه نحو عشرین تابعیا (فیض القدیر شرح جامع صغیر للامام المناوی ج ۴ رقم حدیث ۵۲۶۴)وفی ظفر الامانی بعد کلام فیه وبالجملة اسانید هذاالحدیث کثیرة جدا حتی عده الحافظ السیوطی فی الاحادیث المتواترة اه . ولعله ذکره فی الفوائد المتکاثرة (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر حدیث ۶)

کے احکامات کا سیکھنا بھی ضروری ہوا، عورت پر پردہ فرض کیا گیا ہے تو پردہ کے احکام اور محرم و نامحرم افراد کا علم بھی ضروری ہوگا، شادی شدہ مرد و عورت کو ایک دوسرے کے حقوق کا علم اور اولاد و والدین نیز دوسرے رشتہ داروں وغیرہ کے حقوق کی شناخت بھی ضروری ہے۔[1]

لہٰذا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ اسلام کے عقائدِ صحیحہ کا علم حاصل کرے اور طہارت، نجاست وغیرہ کے احکام سیکھے، نماز روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے فرض و واجب قرار دی ہیں ان کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے، جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوۃ کے مسائل و احکام معلوم کرے، جس کو حج پر قدرت ہے اس کے لئے فرض عین ہے کہ حج کے احکام و مسائل معلوم کرے، جس کو بیع و شراء کرنا پڑے یا تجارت و صنعت یا مزدوری و اجرت کے کام کرنے پڑیں اس پر فرض عین ہے کہ بیع و اجارہ وغیرہ کے مسائل و احکام سیکھے، جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام و مسائل اور طلاق کے احکام و مسائل معلوم کرے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض و واجب کئے ہیں ان کے احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ احکام ظاہر نماز، روزے کو تو سبھی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں، اور ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے، لیکن باطنی اعمال (صبر و شکر وغیرہ کے حصول اور تکبر، حسد وغیرہ حرام چیزوں سے بچنے) کا علم جس کو اصلاحِ نفس و تزکیہ نفس کہا جاتا ہے چونکہ یہ باطنی اعمال بھی ہر شخص پر فرض عین ہیں تو ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے، مگر فرضِ عین اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں باطنی اعمال

---

[1] ثم روی عن ابن المبارک ان سئل عن تفسیر هذا الحدیث . فقال لیس هو الذی تظنون ، انما طلب العلم فریضة ان یقع الرجل فی شیء من امر دینه فیسأل عنه حتی یعلمه وقال البیضاوی : مراده بالعلم هنا ما لا مندوحة للعبد عن تعلمه کمعرفة الصانع والعلم بوحدانیته ، ونبوة رسوله و کیفیة الصلاة فان علمه فرض عین ، وقال الشیخ السهروردی قیل هو علم الاخلاص بمعرفته آفات النفوس ومایفسد الاعمال ، لان الاخلاص مامور به وقیل معرفة الخواطر اذبه یعرف الفرق بین لمة الملک ولمة الشیطان وقیل هو طلب علم الحلال حیث کان اکل الحلال فریضة وقیل هو علم البیع والشراء والنکاح والطلاق اذا اراد الدخول فی شیء من ذالک یجب علیه طلب علمه وقیل هو طلب علم الفرائض الخمس التی بنی الاسلام علیها . وقیل و علم التوحید بالنظر والاستدلال وقیل هو طلب علم الباطن ومایزداد به العبد یقینا والله سبحانه وتعالیٰ اعلم (شرح مسند ابی حنیفة لملا علی قاری)

فرض وواجب کی تفصیل ہے، مثلاً عقائد صحیحہ جس کا تعلق باطن سے ہے یا صبر، شکر، توکل، قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض ہیں، یا غرور و تکبر، حسد و بغض، بخل و حرصِ دنیا وغیرہ جوازِ روئے قرآن وسنت حرام ہیں، ان کی حقیقت اور اس کے حاصل کرنے یا حرام چیزوں سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہی فرض عین ہے۔ پورے قرآن مجید کے معانی و مسائل کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن وسنت سے جو احکام و مسائل نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا، اس میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وآثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں، اس لئے شریعت نے اس علم کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے، کہ بقدرِ ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کر لیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے [1] (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۸۹ تا ۴۹۰ مع تغییر)

---

[1] اعلم انه لايفترض على كل مسلم طلب كل علم اونما يفترض عليه طلب علم الحال (علم الحال: يريد به الاحوال والشؤون التى لابدأن تعرض للانسان فى حياته كالايمان ومعرفة احكام العبادات والمعاملات الضرورية وطرائق السعى الى الرزق والعمل لاكتساب مايحفظ الرمق . فلاجل ان يكون مؤمنا يجب ان يتعلم مايصل به الى الايمان من علم اصول الدين ، ولاجل ان يعرف مافرضه الله عليه من واجبات، يجب ان ينظر فى علم الفقه ليعرف حدود ذلك ولاجل ان يعرف سبل السعى الى الرزق والحصول على المعاش يجب ان يتعلم عن علوم الحياة مايستطيع تعلمه .فالفرض الذى يرى اليه الدين الاسلامى هو الوصول بالانسان الى السعادة فى الدنيا والاخرة)
فانه يقال : افضل العلم علم الحال و افضل العمل حفظ الحال ويفترض على المسلم طلب مايقع له فى حاله فى اى حال كان فانه لابدله من الصلاة فيفترض عليه علم مايقع له فى صلاته بقدر مايودى به فرض الصلاة ويجب عليه بقدر مايودى به الواجب لان مايتوسل به الى اقامة الفرض يكون فرضا ومايتوسل به الى اقامة الواجب يكون واجبا وكذلك فى الصوم والزكاة ان كان له مال والحج ان وجب عليه وكذلك فى البيوع ان كان يتجر
قيل لمحمد بن الحسن (محمد بن الحسن : يصله بابى حنيفة صلة قرابة وهو من تلاميذ ابى يوسف) رحمة الله الاتصنف كتابافى الزهد؟ .قال : صنفت كتابا فى البيوع يعنى الزاهد هومن يتحرز عن الشبهات والمكروهات فى التجارات ، وكذلك فى سائر المعاملات والحرف وكل من اشتغل بشى ءمنها يفترض عليه علم التحرز عن الحرام فيه وكذلك يفترض عليه علم احوال القلب من التوكل ، والانابة ، والخشية ، والرضا، فانه واقع فى جميع الاحوال (تعليم المتعلم طريق التعلم (عربى مع شرح شاهين)

خواتین کا دینی نصاب

الہدیٰ انٹرنیشنل کے اداروں کی حالت یہ ہے کہ ضروری علم دین کو چھوڑ کر چند اختلافی مسائل میں الجھا دیا جاتا ہے اور قرآن کی تفسیر و ترجمہ کے لئے زیادہ زور خرچ کیا جاتا ہے اور ضروری علم دین کے نصاب پڑھانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا خواتین کے لئے بہترین نصاب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ''بہشتی زیور'' ہے اس کی تعلیم اور مطالعہ سے کافی حد تک فرض عین کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے یہ کتاب ''بہشتی زیور'' اصل میں تو خواتین کی تعلیم کے لئے لکھی گئی تھی اور اسی غرض سے اس میں دین و دنیا کی وہ تمام معلومات حیرت انگیز طور پر یکجا کر دی گئی تھیں جن کی ایک مسلمان عورت کو ضرورت پیش آسکتی ہے لیکن فقہی مسائل کی جامعیت کی بناء پر یہ کتاب صرف عورتوں کے لئے ہی نہیں مردوں بلکہ اونچے درجے کے علماء و فقہاء کے لئے بھی مشعل راہ ثابت ہوئی اور اس طرح یہ خصوصیت بھی شاید ''بہشتی زیور'' کے سوا کسی کتاب کو حاصل نہ ہو کہ خواتین کے لئے خواتین کی زبان میں لکھی ہوئی کتاب بڑے علماء اور فقہاء اور مفتیوں کے لئے ماخذ بن گئی جس سے اس دور کا کوئی مفتی بے نیاز نہیں ہو سکتا [1] (درسی بہشتی زیور ص ۱۰)

اہل سنت والجماعت اور باطل فرقے

آج کل نئے نئے فرقے وجود میں آرہے ہیں اور جو بھی فرقہ وجود میں آتا ہے وہ اپنے آپ کو اہل حق ہونے کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتا ہے اور اپنے علاوہ تمام طبقوں کو باطل فرقے قرار

---

[1] عورتوں کے متعلق اول تو باپ کے ذمہ تعلیم فرض ہے کہ ان کو دین سے باخبر کرے۔ اگر وہ جاہل رکھے تو شوہر کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعلیم دے۔ بتلایئے اس فرض کو کتنے شوہر ادا کرتے ہیں۔ پھر شکایت کی جاتی ہے کہ عورتیں جاہل ہیں اے صاحب! تم نے خود ان کو جاہل رکھا ہے اگر تم ان کو تعلیم دیتے۔ تو وہ کیوں جاہل رہتیں............ اور تعلیم دین کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اگر عورتیں لکھ پڑھ نہ سکیں۔ تو ان کو روزانہ دو چار مسئلے ان کی ضرورت کے بتلا دیا کریں اور کوئی کتاب عقائد کی اور مواعظ نصائح کی اور حکایات صلحاء کی ان کو سنا دیا کریں۔ انشاء اللہ چند روز میں بغیر لکھے پڑھے ہی وہ تعلیم یافتہ ہو جائیں گی (خطبات حکیم الامت ج ۱۳ بعنوان دعوت و تبلیغ ص ۱۵۷ تا ۱۸۹)

دیتا ہے جدت پسند طبقہ الہدیٰ انٹرنیشنل والوں کا بھی دعویٰ یہی ہے۔ آیئے اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی ہدایات سے استفادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (سورہ انعام آیت ۱۶۰) ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کردی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بس ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر ان کے وہ کام ان کو جتادے گا جو وہ کیا کرتے تھے (سورہ انعام)

اس آیت میں غلط راستوں پر پڑنے والوں کے متعلق اول تو یہ بتلادیا کہ اللہ کا رسول ﷺ ان سے بَری ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، پھر ان کو یہ سخت دھمکی سنائی کہ ان کا معاملہ بس اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کو قیامت کے دن سزا دیں گے اس آیت میں دین میں تفریق ڈالنے اور فرقے بن جانے سے مراد یہ ہے کہ دین کے اصولوں کی اتباع کو چھوڑ کر نااہلیت کی وجہ سے یا نفسانی وشیطانی تقاضوں پر دین میں مداخلت کر کے نئی چیزیں بڑھادے یا کمی کردے۔ اس میں پچھلی امتوں کے وہ لوگ بھی داخل ہیں، جنہوں نے اپنے اصول دین کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کچھ چیزیں ملادی تھیں، اور اس امت کے وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دین میں اپنی طرف سے بے بنیاد چیزوں کو شامل کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ:

میری امت کو بھی وہی حالات پیش آئیں گے جو بنی اسرائیل کو پیش آئے، جس طرح کی بداعمالیوں میں وہ مبتلا ہوئے میری امت کے لوگ بھی مبتلا ہوں گے، بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے جن میں سے ایک فرقہ کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے، فرمایا مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ یعنی وہ جماعت جو میرے طریقہ پر اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلے گی وہ نجات پائے گی (ترمذی، ابوداود)

باطل فرقے اور الہدیٰ انٹرنیشنل سمیت تجدد پسند حضرات جو قرآن وحدیث کے گہرے علم سے محروم ہیں اور اجتہاد واستنباط کی شرعی ضرورت سے ناواقف ہیں وہ لوگ ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام

مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے چاروں سلسلوں کو چار فرقے بتاتے ہیں اور اپنی جہالت سے ان سلسلوں کے ماننے والوں کو بہتر (۷۲) گمراہ فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ اربعہ کے مقلدین سب ایک ہی جماعت ہیں ان چاروں سلسلوں میں اعتقادی اور اصولی درجہ کا اختلاف نہیں بلکہ فروعی درجہ کا اختلاف ہے اور وہ بھی بہت مختصر اور چونکہ یہ اختلاف صحابہ کرام میں بھی تھا اس لئے نجات پانے والی جماعت (جس کے بارے حدیث میں مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ فرمایا گیا اس) سے یہ چاروں سلسلے خارج نہیں ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کو اپنانے والے عموماً ان چار سلسلوں ہی کے متبعین و مقلدین رہے ہیں (تفسیر "انوار البیان" ج ۳ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱ مع تغیر) آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ جن لوگوں نے اپنے دین سے جدائی اختیار کی اور فرقے فرقے بن گئے.... یہ بدعتوں والے لوگ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور جو اس امت کے گمراہ لوگ ہیں الخ (ترمذی، شعب الایمان بیہقی، حلیہ ابو نعیم، تفسیر روح المعانی) ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

> تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلافات دیکھیں گے، اس لئے (میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ) تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے اسی کے مطابق ہر کام میں عمل کرو، نئے نئے طریقوں سے بچتے رہو، کیونکہ دین میں نئی پیدا کی ہوئی ہر چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (ابوداؤد، ترمذی، احمد وغیرہ)

اسی مقدس اصول کو نظر انداز کردینے سے اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوگئے کہ صحابہ کے عمل اور ان کی تفسیر و تشریح کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے جو دل میں آیا اس کو قرآن و سنت کا مفہوم قرار دے دیا، یہی وہ گمراہی کے راستے ہیں جن سے قرآن کریم نے بار بار روکا اور رسول کریم ﷺ نے عمر بھر بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا، اور اس کے خلاف کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے (تفسیر معارف القرآن ج ۳ ص ۲۰۵ بتغیر و اضافہ) الہدیٰ انٹرنیشنل سمیت جدت پسند طبقہ حضور ﷺ کی سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے طریقہ سے ہٹ کر ایک نئے راستہ پر گامزن ہے، بلکہ جدت پسند طبقہ اس کا دعویٰ تو یہ ہے کہ اس دور میں خلفاء راشدین کا طریقہ قابل عمل ہی نہیں (نعوذ باللہ تعالیٰ)

الہدیٰ اور اہلِ علم وارباب دانش

اب الہدیٰ انٹرنیشنل کے بارے میں اہل علم حضرات کی تحریرات نقل کی جاتی ہیں۔

ایک نیا فتنہ

ہفت روزہ ''ضرب مؤمن'' کراچی، کے نمائندے مفتی ''ابولبابہ'' کے بنا ِض قلم سے

عالمگیر کشمکش

قرآنِ کریم میں مسلمانوں اور غیر مسلموں، حق کے پرستاروں اور باطل کے پُجاریوں، فرزندانِ توحید اور شرک کے دِلدادہ لوگوں کے درمیان کشمکش کو مختلف عنوانات سے بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک موقع پر کفر کی یورش کی تعبیر ان الفاظ سے کی گئی ہے: [1]

''اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کا اتباع نہ کرنے لگو''۔ قرآنِ کریم کی اس پیش گوئی کی صداقت کا اظہار مختلف زمانوں میں مختلف انداز سے ہوتا رہا۔ آج کل اِسلام اور کُفر کے درمیان چونکہ ایک عالمگیر کشمکش چل رہی ہے اس لئے مختلف میدانوں میں کفر کی کوشش ہے کہ فرزندانِ اسلام کو نیچا دکھایا جائے۔ خصوصاً اس بات پر بہت زور دیا جا رہا ہے کہ صحیح اسلامی سوچ کو مضمحل کر کے آزادانہ اجتہاد کا ڈول ڈالا جائے، قرآن وسنّت کی وہ تعلیمات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر ائمت رحمہم اللہ کی وساطت سے ہم تک پہنچیں، اُن سے نورِ ہدایت اَخذ کرنے کی بجائے عصرِ حاضر سے مطابقت رکھنے والا جدید ''اسلامی نظام'' متعارف کیا جائے ایسا اسلام جس میں مذہبی ہدایات کی خاص پابندی نہ ہو بلکہ اباحیت، تجدّد پسندی اور نصوصِ قرآن وسنت کی مَن مانی تاویلوں کی آمیزش سے ایسا ملغوبہ تیار کیا جائے جو اسلامی روایات کو فرنگی تہذیب سے ہم آہنگ کر دے۔ ایسا نظام جس کا پرچار کرنے والوں کا

---

[1] وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (سورہ بقرہ آیت ۱۲۰)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے دُور کا تعلق نہ ہو لیکن وہ اسلام کے شارح اور جدید دور کے سہل پسند مسلمانوں کے لئے نجات دہندہ ثابت ہوں۔

متبادِل طریق کار

چنانچہ اس غرض کے لئے مغرب کی یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم اور عربی ادب کے شعبے قائم ہیں، جہاں مستشرقین (اسلام کا مطالعہ رکھنے والے غیر مسلم دانشوروں) کی زیر نگرانی قرآن و حدیث اور اسلامی علوم کی اس طرز سے تعلیم دی جاتی ہے کہ صحیح اسلامی سوچ پیدا ہوتی ہے نہ کردار شریعت کے مطابق بنتا ہے۔ ان تعلیمی اداروں میں مسلم ممالک کے لائق طلبہ کو داخلہ دے کر ان کو اعلیٰ دینی تعلیم کے نام پر اس طرز کی تحقیق سکھائی جاتی ہے کہ وہ ڈاکٹر کی سند حاصل کر لیتے ہیں لیکن نظری اور عملی طور پر ان کی حالت روئی سے بنے ہوئے ایسے بھالو کی طرح ہوتی ہے جو یہود ونصاریٰ کی بھری ہوئی توانائی سے چلتا ہو۔ [1] مزید برآں ان طلبہ کی عقیدت کا محور بلند پایہ مسلمان ہستیوں کے بجائے غیر مسلم مفکر ہوتے ہیں۔ [2]

وہ اسلامی روایات پر فخر نہیں عار محسوس کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان تعلیمی اداروں میں اسلامی احکام کی ایسی تشریح کرنے والے لوگ تیار ہوتے ہیں جن سے اسلام کی رُوح سلب ہو چکی ہوتی ہے۔ اسلام کی تعلیم کفّار سے پانے والے اور مشرقی تہذیب مغرب کے علمبرداروں سے سیکھنے والے یہ افراد جب اپنے اپنے ملکوں میں واپس جاتے ہیں تو وہاں کے مسلمانوں کیلئے ایک نئی آزمائش بن جاتے ہیں۔ [3]

ان کے پھیلائے ہوئے افکار سے اُن مسلمانوں کا دین سے رہا سہا تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے جو مغرب سے مرعوب ہیں اور وہاں سے درآمدہ ہر چیز کو معیاری اور مستند سمجھتے ہیں۔ یہ بے چارے دین سے پہلے ہی دُور ہوتے ہیں، باقی ماندہ کسر ان مفکرین کی زہر آلود ذہن سازی کے طفیل

---

[1] یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر حضرات عملی طور پر دین سے بہت دور نظر آتے ہیں۔
[2] اسی لئے رات و دن اولیاء اللہ کے بجائے انہی کی شان میں رطب اللسان رہتے ہیں۔
[3] اور دین میں طرح طرح کی باتیں داخل کر دیتے ہیں اور بہت سی دین سے نکال دیتے ہیں۔

پوری ہو جاتی ہے۔

صدر ایوب کے زمانے میں اسلامی نظریاتی کونسل پر اس قسم کے حضرات کا قبضہ تھا اور وہ اس پلیٹ فارم سے تحریف شدہ اسلامی احکام کو ''تحقیق'' کے ''نئے اصولوں'' کا سہارا دے کر پاکستان میں متعارف کروا رہے تھے۔ ان کا سربراہ ''ڈاکٹر فضل الرحمان'' برطانیہ کے ایک مشہور یہودی مستشرق کا چہیتا شاگرد تھا۔ جب وہ علماءِ کرام کی بروقت اور بھرپور گرفت کے سبب اپنا مشن پورا نہ کر سکا تو اسے اس کے سرپرستوں اور مربیّوں نے واپس بُلا لیا۔ یوں ایک ہنگامہ خیز دور اختتام کو پہنچا مگر غیر مسلم لابی کے چوٹی کے دماغ اس عرصے میں کسی اور طریقۂ کار کی تلاش میں تھے جو بالآخر اب پورے زور و شور کے ساتھ سامنے آ گیا ہے۔

مغرب کے روشن دان سے

اب کی مرتبہ کسی حکومتی عہدے یا حیثیت کو استعمال کر کے ''اوپر سے نیچے کی طرف'' کے طرز محنت پر اسلام کی نئی تعبیر کو مسلّط کرنے کی بجائے مفسّرین قرآن کے روپ میں ایک کھیپ تیار کر کے بھیجی گئی ہے جو ''نیچے سے اوپر کی طرف'' کے انقلابی طرز پر کام کر رہی ہے۔ یہ حضرات بڑے بڑے شہروں کے متموّل علاقوں میں تمام تر جدید سہولتوں سے آراستہ دفاتر حاصل کر کے وہاں پُرکشش نام سے دین اسلام کی تبلیغ کے دفاتر کھولتے ہیں۔ ان دفاتر سے عوام کو دین کی آسان تفہیم و تشریح کے عنوان سے وہ لٹریچر، آڈیو، ویڈیو کیسٹیں اور دیگر مواد فراہم کیا جاتا ہے جسے عمدہ اسلوب، دیدہ زیب پیشکش اور مروّجہ اعلیٰ معیار پر تیار کیا گیا ہوتا ہے۔ اس لٹریچر کے پڑھنے والے اور ان ''مفکّرین'' کے خیالات سے متاثر ہو جانے والے افراد کی حالت قابل رحم ہوتی ہے۔ کل تک وہ اپنے آپ کو گنہگار اور بے عمل ادنیٰ سا مسلمان سمجھتے تھے اور یہ احساس ان کی مغفرت کا بہانہ ہو سکتا تھا، مگر اب وہ اپنے آپ کو اسلام کے اصل آفاقی پیغام سے آگاہ اور مسلمانوں کا رہبر و محسن سمجھتے ہیں، ان کی تمام عملی کمزوریوں کو مغرب سے جاری کی گئی سند کا سہارا مل چکا ہوتا ہے اور وہ اسلام کی اس نئی روشنی کو جلد از جلد دوسروں تک پہنچانے کے لئے بے تاب نظر آتے ہیں جو انہیں مغرب کے روشن دانوں سے حاصل ہوئی ہے۔

ایک نیا فتنہ

اس ماہِ رمضان کے آغاز سے تو غضب ہی ہوگیا ہے۔ ملک کے بڑے شہروں میں بڑے بڑے ہوٹلوں اور کلبوں میں مہنگے داموں پر ہال بک کرالئے گئے ہیں جہاں درسِ قرآن کے نام سے فیشن ایبل خواتین کے اجتماعات ہورہے ہیں، ان محفلوں میں دیارِ کفر سے تفسیر قرآن کی تعلیم حاصل کرکے آنے والے خواتین وحضرات، قرآنِ کریم کے حقائق ومعارف بیان فرمارہے ہیں۔ [1]

یعنی یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ دنیاوی امور کی طرح دینی معاملات میں بھی ہم نے سڑاندزدہ تہذیب رکھنے والے مغرب کو اپنا امام بنالیا ہے۔ قرآنِ کریم کے ترجمہ وتفسیر جیسی خالص مذہبی تعلیم ان لوگوں سے لی جارہی ہے جو یورپ وامریکا کی یونیورسٹیوں میں متعین اسلام دشمن اور یہودیوں کے آلۂ کار پروفیسروں سے پڑھ کر آئے ہیں اور علومِ اسلامیہ کی جدید تشریح کے بہانے اباحیت، آزادروی اور تجدُّد پسندی کو ترویج دے رہے ہیں۔ اس طرح کے درس آج کل کثیر سرمایہ خرچ کرکے منعقد کئے جارہے ہیں، ذرائعِ ابلاغ سے اِن کی تشہیر پر اتنا روپیہ خرچ کیا جارہا ہے کہ مسلمانوں کے عطیات سے چلنے والی تنظیمیں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ اِن کی نشرواشاعت کے لئے ویڈیو کے طویل دورانیے اور اخبارات کے بھاری بھرکم اشتہارات ومضامین کچھ اور ہی کہانی سناتے نظر آتے ہیں۔ ان کا مقصد قرآنِ کریم کے نور سے لوگوں کے دلوں کو منوّر کرنا نہیں، بلکہ خالص دینی نظریات سے چھڑا کر اس آزادانہ ذہنیت کو پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے جس کے بعد مسلمان کے دامن میں یہودیت کے پھیلائے ہوئے جراثیم کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔ خود سوچئے کہ یہودی اور عیسائی پروفیسروں نے جس اسلام کی تعلیم اپنے اِن ہونہار شاگردوں کو دی ہوگی اور اسلام کی تخریب کی خاطر اسلام کا مطالعہ اور تحقیق کرنے والوں نے مسلمانوں کے ذہین افراد چُن کر ان کو جو "جدید نظریات" اور عصرِ حاضر میں

---

[1] "الہدیٰ انٹرنیشنل" کی طرف سے بڑے بڑے ہوٹلوں میں درسِ قرآن کے مبارک نام سے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، جن میں ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ اور ان کی دوسری مقرر کردہ خواتین درس دیتی ہیں۔ جبکہ ان خواتین میں تفسیر کرنے کی شرائط کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا۔

اسلامی احکام کی ''نئی تشریح'' سکھائی ہوگی، وہ کس قدر خطرناک اور زہر آلود ہوگی؟؟؟

واضح قرائن و شواہد

چنانچہ ہو یہ رہا ہے کہ ان محفلوں میں شریک ہونے والے افراد دین سے محبت کرنے، دینداری اختیار کرنے اور شریعت کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی بجائے مزید آزاد خیال ہوتے جارہے ہیں۔ یہ سادہ لوح مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کی فکر کی بجائے دیندار مسلمانوں کو کم تر اور ان کے فہمِ دین کو ناقص سمجھنے لگتے ہیں، خصوصاً علماءِ کرام سے متنفر اور بیزار دکھائی دیتے ہیں۔ ان اجتماعات میں جانے کے بعد ان میں نماز روزہ کا اہتمام تو نہیں بڑھا البتہ بے پردگی، ٹی وی، ویڈیو کے جواز اور صورت ولباس میں سنّت کی پابندی کے غیر ضروری ہونے جیسے زہر ناک خیالات ان میں پیدا ہوگئے ہیں۔ جہل مرکّب کا یہ عالَم ہے کہ یہ اعراب کے بغیر قرآنِ کریم پڑھ سکتے ہیں نہ ترجمہ سامنے رکھے بغیر آیات کا مطلب یاد ہے، لیکن ائمہ اسلام کی تقلید اور ان کی تحقیقات پر اعتماد کے خلاف بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس بات کی علامت اور اس امر کی صاف دلیل ہے کہ مغرب سے درآمدہ ان متفکّرین حضرات کا کام کسی طرح بھی داعیانِ اسلام کے طریقے پر نہیں بلکہ دین کی دعوت کیلئے مُہلِک اور خطرناک ترین ہے۔ ان حضرات کے کام کرنے کا جدید انداز، عیسائی مشنریوں والے طور طریقے، سرمائے کا بے دریغ خرچ، اعلیٰ طبقوں میں اہمیت کے ساتھ کام کرنا، (انبیاء علیہم السلام سے لے کر آج تک دین کی دعوت دینے والا ہر مخلص فرد یا ادارہ معاشرے کے تمام طبقوں میں بلا امتیاز کام کرتا چلا آیا ہے بلکہ اُمراء کی بہ نسبت غُرباء میں اس کی محنت کو زیادہ قبول حاصل ہوتا ہے) آزاد خیال مسلمانوں میں ان کی روز افزوں مقبولیت، یہ سب کچھ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ اسلام کے نہیں، مغرب کے نمائندے ہیں۔ یہ دین کے داعی نہیں، بددینی اور الحاد کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہ قرآن کے خادم نہیں، حدیث شریف کے انکار کے مجرم ہیں۔ ان کے چنگل سے خود بھی بچنا اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کرنا فرض ہے۔

دعوتِ دین کے تقاضے

ان ''ماہرینِ شریعت'' مفکرین سے یہ خطرہ تو ان شاء اللہ نہیں کہ یہ فتنہ زیادہ عرصہ چل سکے گا لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ بہت سے دین سے محبت کرنے والے سادہ لوح مسلمان اُن جراثیم کا شکار نہ ہو جائیں جو مغرب کی دانش گاہوں میں تیار کر کے مسلم ممالک میں انجکٹ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ خصوصاً ہماری وہ مائیں بہنیں ان سے زیادہ متاثر ہو سکتی ہیں جو مذہب سے قلبی عقیدت رکھتی ہیں لیکن اس کے حصول کیلئے اس ذریعے کی تلاش میں رہتی ہیں جو ان کے دل و دماغ کو ویسا متاثر کر سکے جیسا کہ وہ آج کی ترقی یافتہ دنیا کی دیگر اشیاء کو روز و شب دیکھتی ہیں۔
ان کے لئے مخلصانہ مشورہ ہے کہ انہیں ان مجالس میں جتنی بھی کشش اور فائدہ محسوس ہو لیکن ان میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ برادرانِ اسلام اور محترم ماؤں، بہنوں سے عرض ہے کہ اپنے علم کی پیاس ضرور بجھائیں مگر ان سرچشموں سے جہاں خالص اور شیریں آبِ حیات ملتا ہے۔ یہ حیات بخش مشروب اگر مٹی کے صاف ستھرے پیالے میں ہو تو بھی جراثیم سے آلودہ اُس محلول سے لازماً بہتر ہے جو ایسی پیکنگ میں فراہم کیا جا رہا ہے جو دیدہ زیب تو ہے مگر ان مہلک جرثوموں کو نظر نہیں آنے دیتی جو اس میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ معاشرے کا رُخ پہچاننے والے اور عوام کے نبض شناس محترم علماءِ کرام سے گذارش ہے کہ درسِ قرآن کے حلقوں کو اس انداز سے قائم فرمائیں کہ ہمارے عصری تعلیم یافتہ برادرانِ اسلام کو وہ علمی اور روحانی غذا میسر ہو سکے جس کی تلاش میں وہ مسجد اور مدرسہ چھوڑ کر کلبوں اور ہوٹلوں کا رُخ کر رہے ہیں۔
اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں قرآنِ مجید کا سچا اور کارآمد خادم بنا دے اور ان تقاضوں کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے جو اس دور میں دعوتِ دین کے لئے مفید اور معاون ہیں۔ آمین ثم آمین (ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کراچی۔ جلد ۴ شمارہ ۵۰۔ ۱۱ تا ۱۷ رمضان ۱۴۲۱ھ مطابق ۸ تا ۱۴ دسمبر ۲۰۰۰ء)

ڈاکٹریٹ کا فتنہ

اور علماء کرام سے بیزاری

از شیخ العصر مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب البرنی رحمہ اللہ، مدینہ منورہ

دشمنانِ اسلام نے جہاں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوشش جاری کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یونیورسٹیوں میں اسلامیات پر مقالے لکھواتے ہیں اور مسلمان نام کے طلبہ ڈگریوں کے لالچ میں یونیورسٹیوں میں داخلہ لیتے ہیں اور اسلام کے نام پر ایسی چیزیں لکھوائی جاتی ہیں جو قرآن وحدیث کے خلاف ہوتی ہیں جتنے دن یہ طلبہ یونیورسٹی میں رہتے ہیں ان کا مزاج غیر اسلامی بنادیا جاتا ہے اور شکل وصورت تو عموماً غیر اسلامی ہوتی ہی ہے جس کے پاس ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہو اُسے بہت بڑا عالم سمجھا جاتا ہے اور اس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اس کے مضامین بڑی توجہ اور رغبت سے پڑھے جاتے ہیں، جو شخص ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر لے اس کو خود بھی علم کا غرور ہوتا ہے چونکہ انہوں نے کالجوں ہی کا ماحول دیکھا ہوتا ہے، وہاں جو پڑھتے ہیں اسی کو علم سمجھتے ہیں اس لئے اپنے بارے میں سمجھتے ہیں کہ ہم نے علم کی تمام منزلیں طے کرلی ہیں، اور ہم سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، ان کے اساتذہ یہودی بھی ہوتے ہیں اور نصرانی بھی اور وہ انہیں اسلام پر اعتراض کرنا سکھاتے ہیں اور اسلام کے عقائد اور اعمال سے دور کر کے مسلمانوں کے ممالک میں بھیجتے ہیں۔

ہمارے دوست مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ کی ایک کتاب چھپوانے کے لئے مصر تشریف لے گئے یہ کتاب ''اوجز المسالک شرح موطا مالک یا لامع الدراری شرح بخاری'' تھی جب پروف دیکھنے بیٹھتے تو ایک مصری نوجوان بھی ساتھ بیٹھ جاتا اور بات بات میں بول پڑتا، مولانا نے فرمایا تم خوامخواہ کیوں بولتے ہو؟ کہنے لگا کہ میں ڈاکٹر ہوں! مولانا نے فرمایا تم نے حدیث میں کیا پڑھا ہے اس نے اپنے مقالہ کا تذکرہ کردیا جو ڈاکٹر کی ڈگری کے لئے لکھا تھا، مولانا نے فرمایا تم نے تو حدیث میں کچھ بھی نہیں پڑھا

پھر حدیث کے بارے میں کیوں دخل دیتے ہوں؟ کہنے لگا آپ کے ملک میں حدیث میں کیا پڑھایا جاتا ہے مولانا نے فرمایا کہ ہمارے یہاں تو صحاح ستہ پڑھائی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ دوسری کتب حدیث موطأ وغیرہ کا بھی درس دیا جاتا ہے کہنے لگا پھر تو آپ لوگوں کو احادیث میں مشغول ہونے کا حق ہے۔

ڈاکٹروں کا اپنا غرور تو ہے ہی لوگوں میں بھی ان سے بہت مرعوبیت ہے میرے ایک شاگرد امریکہ میں رہتے ہیں انہوں نے بتایا کہ ہفت روزہ جو کوئی دینی مجلس ہوتی ہے اس میں کسی ڈاکٹر سے بیان کروالیتے ہیں اگر مسلمان ڈاکٹر نہ ملا تو یہودی یا نصرانی ڈاکٹر کو بلالیتے ہیں، لوگوں کی بیوقوفی دیکھو کہ خواہ کافر ہی ہو خواہ اسلام پر اعتراض ہی کرتا ہو مسلمان عالم کو نہیں بلا سکتے کیونکہ وہ ڈاکٹر نہیں ہے یہ ڈاکٹر جنہیں تھوڑا سا علم ہے وہ بھی جو دشمنانِ اسلام نے پڑھایا ہے جو پتلون پہن کر اور ٹائی لگا کر دشمنانِ اسلام کو خوش کرنے کے جذبات سے سرشار رہتے ہیں بھلا اس قابل ہیں کہ ان سے اسلام سیکھا جائے انہیں تو کچھ بھی پتہ نہیں، کافر اور فاسق بددین استادوں کی سرپرستی میں جو مقالہ لکھا ہے بس اسی کا علم ہے اور بس!

مسلمان ممالک کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ذمہ داروں پر (جو انہی دشمانِ دین کی یونیورسٹیوں سے ڈگری لائے ہوئے ہوتے ہیں) حیرت ہوتی ہے کہ جس محدث نے پچاس سال تک قرآن وحدیث کی تعلیم دی ہو اسے دو پیسے تنخواہ دے کر بھی یونیورسٹیوں کا معلم اور مدرس نہیں رکھ سکتے اور یہ ڈاکٹر (مرد ہو یا عورت) جو کافروں سے اسلامیات کی ڈگری لے کر آیا ہے اسے ہزاروں روپے تنخواہ دے کر لپک لپک کر ملازمتیں دینے کو تیار رہتے ہیں، دنیاداری مقصود ہے حقیقی اسلام مطلوب نہیں تاکہ قرآن وحدیث کے ماہرین سے علوم اسلام اور احکام اسلام حاصل کرنے کی فکر کرتے، چونکہ حقیقی علوم اسلامیہ مطلوب نہیں اس لئے حضرات علماء کرام اور ان کے مدارس سے ایک طرح کا بغض رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مدارس مٹ جائیں اور پوری امت ہمارے قابو میں آجائے دشمنوں کی یہ کوشش کہ مسلمان، علماء اور علمائے اسلام سے دور رہیں ان کے آگے بڑھانے میں ڈاکٹروں کا بڑا حصہ ہے، ڈاکٹر لوگ خالص دنیادار ہونے کی وجہ سے قرآن وحدیث کے علوم کو نہیں جانتے اور نہ جاننا چاہتے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ علماء کو کچا کھا جائیں اور ان کے مدارس کو ختم کردیں، چند سال پہلے ایک سیاہ فام

عورت کو دشمنوں نے افریقہ میں بھیجا تھا اس نے جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ کر اسلام کے خلاف زہر اگلا، تجدد پسند نام نہاد مسلمانوں پر تعجب ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر اور وہ بھی جمعہ کے دن دشمنوں کی بھیجی ہوئی عورت کی بات سنیں، جن مسلمانوں کے دلوں میں پُرانا پن باقی نہیں رہا وہ دقیانوسی کے طعنہ سے ڈرتے ہیں اور جو شخص نئی بات کہے ماڈرن اسلام پیش کرے اس کو آگے لانا چاہتے ہیں اور اصلی مسلمانوں سے بغض رکھتے ہیں قرآنِ کریم اور حدیث شریف میں تحریف وتاویل کرنے پر تلے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔

تفسیر کے نام پر قرآن وحدیث میں تحریف

حال ہی میں ''گلاسکو یونیورسٹی'' (Glasgow, University) سے پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والی ایک خاتون ''فرحت نسیم ہاشمی'' کی کیسٹیں پھیلائی جارہی ہیں جن میں علمائے کرام کے خلاف زہر اُگلا جارہا ہے اور تفسیر کے نام پر قرآنِ مجید اور حدیث میں تحریف کی جارہی ہے، اور یہ دعوے کئے جارہے ہیں کہ دین کو مولویوں کے چنگل سے نکالا جائے جنہوں نے اس پر اپنی اجارہ داری قائم کررکھی ہے، اس قسم کی باتیں کرنے والے سمجھتے ہیں کہ مولوی کے ہاتھ سے دین کو نکال کر خود قبضہ کرکے اپنی تحریفوں کے ساتھ اُمت میں گمراہی پھیلائی جائے تو کامیاب ہونگے، انہیں یہ پتہ نہیں کہ جیسے قرآن تاقیامت باقی ہے اسی طرح حامل قرآن بھی ہمیشہ باقی رہیں گے، تاریخ شاہد ہے کہ جس کسی نے بھی حامل قرآن سے دشمنی کی وہ لوگ خود تباہ وبرباد ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے بطور پیشین گوئی ارشاد فرمایا:۔

يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عَدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ (مشکوٰۃ ص ۳۶ بحوالہ بیہقی)

ترجمہ: اس علم کو اٹھائیں گے بعد میں آنے والے لوگوں میں سے بہت اچھے لوگ جو غلو کرنے والوں کی تحریفات کو دور کریں گے اور باطل والوں کی نسبتوں کو ہٹائیں گے اور جاہلوں کی تاویل سے پاک کریں گے (مشکوٰۃ شریف)

حسب ارشاد نبی اکرم ﷺ ہمیشہ سے قرآن وحدیث کے حاملین رہے ہیں اور جتنے بھی باطل

فرقے اٹھے ان حضرات نے ان سب کی سرکوبی کی، سب کو انجام تک پہنچایا، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، کرامیہ، اور بہت سے فرقے نکلے، حضرات علماءِ کرام نے محنتیں کیں تکلیفیں اٹھائیں اور ان سب کو دبا دیا، اس زمانہ میں بھی نئے نئے مجتہد نکل رہے ہیں، مرد بھی ڈاکٹریٹ کے دھوکہ میں اسلام میں تحریف کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور عورتیں بھی یونیورسٹیوں کا زہر پی کر دینِ اسلام کو نہ صرف اپنی سمجھ کے موافق بلکہ دشمنانِ اسلام کے اشاروں پر دین میں ردّ و بدل کرنا چاہتی ہیں، اور اس خیالِ خام میں مبتلا ہیں کہ اسلام کو مولویوں کے چنگل سے نکال لیں گی

؎ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

بھلا جو شخص اپنے تحریفی عزائم اور ضروریاتِ دین کے انکار کی وجہ سے اسلام سے باہر ہے وہ حاملین دین اور علمائے عاملین سے قرآن و حدیث کو چھڑا کر اپنے قبضے میں کیسے کرے گا؟

حضرات علمائے کرام نے کسی پر قبضہ نہیں جمایا بلکہ تمام مسلمان، علماءِ کرام کے علم و عمل، علمی مہارت، عملی زندگی، فکرِ آخرت اور حبِ آخرت اور استغناء عن الدنیا اور اخلاص کو دیکھ کر خود ہی ان کے معتقد بنے ہوئے ہیں۔ یہ کوشش کرنا کہ علماء سے اقتدار چھین کر عوام پر ہمارا قبضہ ہو جائے یہ تو خالص طلب دنیا ہے جس میں ذرا سی بھی آخرت کی طلب نہیں، ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں ہوتی، علماء کے دشمن گمراہی کے قائد بنے ہوئے ہیں وہ اپنی فکر کریں کہ ان کے اندر ایمان ہے یا نہیں؟ اور آخرت کی فکر ہے یا نہیں؟ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں؟

جتنے بھی گمراہ لوگ ہیں ان سب کو اللہ جلّ شانہٗ نے متنبہ فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص مومنین کے اتباع کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا اس کی نجات نہیں ہوگی بلکہ دوزخ میں جائے گا، پڑھو سورۂ نساء کی آیت:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (نساء، آیت ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اللہ کے رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ کا اتباع کرے، ہم اسے اس راہ پر چلنے دیں گے جدھر اس نے اپنا رخ کیا اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے جو برا ٹھکانا ہے (سورۂ نساء)

اس آیت میں اول تو رسول اللہ ﷺ کے خلاف راہ اختیار کرنے پر دوزخ کے داخلہ کا ذریعہ بتایا ہے، دوسرے یہ کہ مومنین کے اتباع کو چھوڑ کر دوسرے کسی راستہ کو اختیار کرنا گمراہی ہے۔ دین تو اللہ تعالیٰ کا ہے اس نے اپنی کتاب قرآن مجید میں عقائد اور احکام بیان فرمائے ہیں اور مہبط وحی سے یہ محمد رسول ﷺ کی زبانی بیان کرائے ہیں، جو شخص اسلام کا دم بھرے وہ تو کتاب وسنت کے قوانین اور احکام کا پابند ہے، اللہ کے دین میں ردو بدل کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ جیسے یہود ونصاریٰ نے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا لایا ہوا دین بدل دیا، اسلام کا نام لینے والے مُلحِد اور زندیق بھی ان کے پیروکار بننا چاہتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے۔

قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (سورہ یونس آیت ۵۹)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ تم بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے رزق نازل فرمایا ہے سو تم نے اس میں سے بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے دیا۔ آپ فرمادیجئے کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہو (سورہ یونس)

آیت بالا سے معلوم ہو گیا کہ تحریم وتحلیل کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، رسول اللہ ﷺ جب تک دنیا میں تشریف رکھتے تھے، بعض احکام آیت نازل ہونے کی وجہ سے یا آپ کے فرمانے سے منسوخ ہو جاتے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اب احکام کے منسوخ ہونے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔

ہم نے حق واضح کر دیا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ: اللہ تعالیٰ اُمّتِ مسلمہ کو مجرمین اور ملحدین سے محفوظ فرمائے۔ وَبِاللّٰهِ التَّحْقِيْقُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

کہنے والے یوں ہی کہتے ہیں کہ دین تو آسان ہے مولویوں نے سختی کر رکھی ہے، بات یہ ہے کہ مولوی قرآن وحدیث کو جانتے ہیں شرعی احکام بتلاتے ہیں اگر کسی کو ان پر بھروسہ نہیں، تو خود علم حاصل کریں اگر کبیرہ گناہ کرتے رہے، حرام کماتے رہے، حرام کھاتے رہے اور آخرت میں مواخذہ ہوا اور نمازیں چھوڑنے،......روکنے اور حرام کمانے اور کھانے کی وجہ سے دوزخ میں

بھیجا جانے لگا تو کیا وہاں یہ جواب کام دے گا کہ ہم نے نہ تو خود قرآن حکیم پڑھا، نہ حدیث پڑھی نہ دین کو سمجھا اور علماء کرام نے جو بتایا وہ ہم نے پسند نہ کیا اس میں ہمیں سختی معلوم ہوتی تھی غور کریں کے یہ جواب آخرت میں کام دے دیگا اور دوزخ سے بچالیگا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ فَھُوَ شَھِیْدٌ (ماخوذ از ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی۔ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مئی ۲۰۰۰ء)

الہدیٰ انٹرنیشنل: حقائق کیا کہتے ہیں؟

(مفتی ابولبابہ شاہ منصور)

قارئین کرام ہمارا ملک اس وقت جس انتشار اور خلفشار کا شکار ہے اس کو دیکھتے ہوئے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ امت مسلمہ کے باہمی اختلافات کو خصوصیت سے موضوع سخن بنایا جائے لیکن بعض اوقات کچھ باتیں اتنی سنگین ہوتی ہیں کہ اگر ان سے چشم پوشی کر لی جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ پشت میں خنجر گھونپنے والے ہمیں ''تیر کھا کر کمین گاہ کی طرف دیکھنے'' اور اپنے ''دوستوں کو پہنچانے'' کا موقع بھی نہ دیں۔ زیر نظر سطور کچھ اسی قسم کی مجبوری کے تحت لکھی جا رہی ہیں۔

الہدیٰ انٹرنیشنل کا نام اب ہمارے ملک میں غیر معروف نہیں رہا۔ یہ ادارہ درس قرآن کے حلقوں کے ذریعے خواتین میں دعوت دین کا کام کرتا ہے اور سننے میں آتا رہتا ہے کہ اس ادارے سے وابستگی کے بعد فیشن ایبل خواتین میں دینی مزاج پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے، وہ پردہ شروع کر دیتی ہیں، ان کے گھروں کی چھت سے ڈش اتر جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے معاشرے میں جو تیزی سے دین سے دور ہوتا جا رہا ہے خصوصاً طبقہ اشرافیہ (ہائی سوسائٹی) میں اگر قرآن کریم کی طرف رجوع، دین سیکھنے کا شوق و ذوق اور اللہ و رسول اور یوم آخرت کی باتیں ہونے لگیں اور وہ بھی خواتین کے حلقے میں تو دینی ذہن رکھنے والوں کے لئے اس سے زیادہ خوشی اور مسرت کا موقع اور کون سا ہو سکتا ہے؟ لیکن وائے بدقسمتی کہ ہماری شامت اعمال سے ہم پر مغربیت اور الحاد کا جو سیلاب مسلط ہے اس کے پیش نظر اول تو دین کی دعوت کی آواز بہت مضمحل ہے، دوسرے دعوت دین سے وابستہ افراد اور ادارے اجماعی مسائل

پر توجہ مرکوز کرنے کی بجائے اپنے آپ کو فروعی مسائل میں الجھا لیتے ہیں اور اس سے بڑھ کر غضب یہ کہ ذاتی نظریات جو جمہور علماء امت کی تحقیقات سے مطابقت نہیں رکھتے، ان کو اپنی دعوت کا لازمی جز بنا لیتے ہیں اور بعض تعصب کے مارے ہوئے تو ان نظریات کی ترویج کے لئے علماء اسلام کی تحریرات کو توڑ موڑ کر اپنے موقف سے مطابق دکھانے سے بھی نہیں چوکتے۔ رفتہ رفتہ نوبت یہ آجاتی ہے کہ ان کی محنت اس ستم رسیدہ امت کو کوئی مثبت اور تعمیری نتیجہ دینے کے بجائے ایک نئے فتنے کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور ان کا قائم کردہ حلقہ ایک مستقل فرقہ بن جاتا ہے جس کے گمراہانہ اثرات سے عوام الناس کو بچانے پر علماء امت کی وقیع جدوجہد اور قیمتی وقت اور وسائل خرچ ہوتے ہیں اور وہ اس کے لئے اپنی بہترین توانائیاں صرف کرنے کے باعث بیرونی دنیا تک اسلام کی دعوت پہنچانے اور اپنے علمی کاموں کو آگے بڑھانے کی فرصت نہیں پاتے۔

الہدیٰ انٹرنیشنل کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا بلکہ گستاخی معاف ہو تو اس سے بھی آگے کا ہے۔ بندہ نے جب پہلی بار سنا کہ اسلام آباد کے اعلیٰ حلقوں میں کام کرنے کے بعد اب کراچی میں بھی محترمہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ نے پوش علاقوں میں کام شروع کیا ہے اور ان کے اولین تعارف کے طور پر یہ بات سامنے آئی کہ وہ انگلینڈ سے علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کر کے آئی ہیں تو اپنی کم علمی اور بے بصیرتی کے باوجود اسی وقت بندہ کا ماتھا ٹھنکا کہ اللہ خیر کرے، نجانے کیا ظہور میں آتا ہے۔ بندہ کی اس پریشانی کا سبب دو چیزیں تھی۔

مغربی یونیورسٹیوں سے پڑھے ہوئے دانشور

(۱)...... واقفانِ حال کو معلوم ہے کہ مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں غیر مسلم علماء اور دانش وروں کو (جنہیں اسلامی اصطلاح میں مستشرقین کہا جاتا ہے) بھاری وظائف اور ہمہ قسم کی سہولتیں دی جاتی ہیں تاکہ وہ اسلامی لٹریچر کا بھرپور مطالعہ اور ادراک رکھیں اور مسلم ممالک سے آئے ہوئے ذہین اور قابل نوجوانوں کی ایسی تربیت کریں جس سے وہ دین کے نام پر بے دینی اور شریعت کے نام پر الحاد کو فروغ دینے کا ہنر سیکھ سکیں۔ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ نے تو رسمی علوم کے بعد گلاسکو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی بھی کی تھی لہٰذا بندہ کا سہم جانا کچھ ایسا بے جا نہ تھا۔

انبیاء کے طریقے سے انحراف

(۲)...... جو دینی ادارے اپنی محنت کا مرکز صرف (صرف کے لفظ پر زور دے کر پڑھیے) اعلیٰ طبقے کو بناتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے دعوتی طریق کار سے منحرف ہوتے ہیں اس لئے نہ صرف یہ کہ ان سے خیر کی توقع رکھنا عبث ہوتا ہے بلکہ درپردہ کسی اور مشن پر چلنے کا وہم ہوتا ہے کیوں کہ ''ملأ القوم'' اور ''مترفین'' (یعنی سیاسی حیثیت اور مالی استحکام رکھنے والے وڈیرے اور سرمایہ دار) جو دین کی دعوت کے سب سے پہلے مخالفین میں سے ہوتے ہیں، ان کو اپنی جدوجہد کا محور بنانا اور ان کا اس دعوت کو بے دھڑک قبول کیے جانا چونکا دیئے بغیر نہیں رہتا۔

بعد میں الہدیٰ انٹرنیشنل اور اس کی بانی محترمہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ کے متعلق بہت سی تشویش ناک باتیں سننے میں آتی رہیں لیکن اس کی تحریری یا صوتی تحقیق نہ مل سکی جو اس پر کھل کر کچھ کہنے کی بنیاد فراہم کر سکے۔ سال گزشتہ ماہ رمضان المبارک میں محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا کراچی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں درس کی کچھ روداد پہنچی تو بندہ نے اس طرح کے درس قرآن کے حلقوں پر ایک عمومی سا تبصرہ لکھ کر اہل علم کو غور وفکر کرنے اور اس حوالے سے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کی دعوت دینے کی جرأت کی جس کے جواب میں قارئین اور الہدیٰ سے علیحدہ ہو جانے والی خواتین کی طرف سے بہت سے خطوط آئے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی وزن دار بات کہنے کے لئے خطوط کہاں کافی ہوتے ہیں۔

یہاں تک کہ حضرت الاستاذ، شیخ الحدیث، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو اہل اسلام کے لئے اللہ کی رحمت اور ہدایت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں، کے اپنے قلم حقیقت رقم سے نکلا ہوا ایک فتویٰ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے جو سلامت طبع، معتدل مزاجی، قدیم وجدید علوم پر دسترس اور احوال زمانہ پر گہری نظر عطاء فرمائی ہے اس کا کوئی سلیم العقل شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آپ علماء کرام کے محبوب ومقتدا تو ہیں ہی لیکن اپنی بردبار شخصیت، راسخ علم، پروقار انداز تقریر وتحریر اور بلند پایہ علمی واصلاحی مشاغل کے سبب جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بھی یکساں طور پر مقبول ہیں۔ آپ کے فتوے کو ''شدت پسندی'' یا

''جاہل مولویوں کا ردعمل'' کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر اپنے ہاتھ سے اس ادارے کے نظریات کے بارے میں فتویٰ لکھنے کی جو ضرورت محسوس کی، صرف اسی سے اس کی اہمیت سمجھی جا سکتی ہے۔ اس فتویٰ کے مطالعے کے بعد اس ادارے کے بارے میں ذرہ بھر شبہ نہ رہا کہ مستشرقین کی نظر خاص کے مرکز پاکستانی معاشرے میں اتحاد کے نام پر ایک اور فرقہ اور ہدایت کے عنوان سے ایک اور گمراہی وجود میں آ گئی ہے۔
اب آگے بڑھنے سے پہلے آپ یہ فتویٰ ملاحظہ فرمایئے جس پر صدر دار العلوم کراچی جناب مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور جامعہ دار العلوم کراچی کے چار نائب مفتی صاحبان کی تصدیقات اور مہریں ثبت ہیں۔ اس فتویٰ کا نمبر ۴۸۶/۱ ہے اور یہ مورخہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ کو تحریر کیا گیا ہے۔

الہدیٰ انٹرنیشنل کے بارے میں چند سوالات کے جوابات

از شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

(سابق جج شریعت بینچ، و نائب صدر جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی، و نائب چیرمین عالمی فقہ اکیڈمی۔ جدہ)

(سوالنامہ)

حضرت جناب مفتی صاحب زیدت معالیہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سائلہ نے اسلام آباد کے ایک ادارے ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' سے ایک سالہ ڈپلومہ کورس اِن اسلامک سٹڈیز (One year diploma course in I.S) کیا ہے۔ سائلہ اس ادارے میں طلب علم کی جستجو میں گئی تھی اور ان کے خفیہ عقائد سے ناواقف تھی۔ ایک سالہ کورس کے بعد ان کے عقائد کچھ صحیح معلوم نہ ہوئے تو سوچا کہ علمائے کرام سے فتویٰ طلب کیا جائے تا کہ اُمتِ مسلمہ کی بیٹیوں تک عقائد صحیحہ کو پہنچا کر ان کو گمراہی سے بچایا جا سکے۔ ہماری استاد اور ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' کی نگران محترمہ 'ڈاکٹر فرحت ہاشمی' صاحبہ کے نظریات کا نچوڑ پیش خدمت ہے:۔

1......اجماعِ امت سے ہٹ کر ایک نئی راہ اختیار کرنا۔ [۱]

2......غیر مسلم اور اسلام بیزار طاقتوں کے نظریات کی ہمنوائی۔

3...... تلبیس حق و باطل۔ (حق باطل کو گڈمڈ کرنا)

4...... فقہی اختلافات کے ذریعے دین میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔

5......آسان دین۔

6......آداب و مستحبات کو نظر انداز کرنا۔

اب ان بنیادی نقاط کی کچھ تفصیل درجِ ذیل ہے

(1) اجماعِ امّت سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کرنا: (قضائے عمری کا انکار، تین طلاقوں کو ایک سمجھنا، خواتین کا صلوٰۃ التسبیح با جماعت پڑھنا، رمضان کی راتوں میں خواتین کا جمع ہونا)

(i)......قضاءِ عمری سنت سے ثابت نہیں، صرف توبہ کرلی جائے۔ قضا ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [۲]

(ii)......3 طلاقوں کو ایک شمار کرنا۔ [۳]

(iii)......نفلی نمازوں صلوٰۃ التسبیح، رمضان میں طاق راتوں خصوصاً 27 ویں شب میں اجتماعی عبادت کا اہتمام اور خواتین کے جمع ہونے پر زور دینا۔ [۴]

(2) غیر مسلم، اسلام بیزار طاقتوں کے خیالات کی ہمنوائی: (علمائے کرام، دینی مدارس

---

[۱] حالانکہ اجماع قرآن و حدیث اور امت مسلمہ کے اتفاقی فیصلے کے مطابق حجت ہے۔ ملاحظہ ہو "فقہ میں اجماع کا مقام" از مفتی رفیع عثمانی صاحب

[۲] قضاءِ عمری کا انکار کتنے بڑے فریضے کا انکار اور کتنی بڑی جرأت ہے؟

[۳] تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا بھی قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، اور فقہ کے چاروں امام (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے اتفاقی فیصلے کے خلاف ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تین طلاق کا ثبوت" از مولانا شہاب الدین ندوی صاحب۔ اور "عمدۃ الاثاث فی حکم الطلاق الثلاث" از مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب۔

[۴] اس کا بدعت ہونا بھی واضح ہے۔

اور درس نظامی کی مخالفت، قرآن کے ترجمہ پڑھنے کو کافی سمجھنا، فقہ سے بیزاری، عربی زبان کی ضرورت کا انکار)

(i)......مولوی (عالم)، مدارس اور عربی زبان سے دور رہیں۔

(ii)......علماء دین کو مشکل بناتے ہیں آپس میں لڑتے ہیں۔عوام کو فقہی بحثوں میں الجھاتے ہیں بلکہ ایک موقع پر تو فرمایا کہ اگر آپ کو کسی مسئلے میں صحیح حدیث نہ ملے تو ضعیف لے لیں لیکن علماء کی بات نہ لیں۔

(iii)......مدارس میں گرائمر، زبان سکھانے، فقہی نظریات پڑھانے میں بہت وقت ضائع کیا جاتا ہے۔قوم کو عربی زبان سیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ لوگوں کو قرآن صرف ترجمے سے پڑھا دیا جائے۔ایک موقع پر کہا (ان مدارس میں جو 7,7 8,8 سال کے کورس کرائے جاتے ہیں یہ دین کی روح کو پیدا نہیں کرتے اپنے فقہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں) اشارہ درسِ نظامی کی طرف ہے۔

(iv)......وحید الدین خان کی کتابیں طالب علموں کی تربیت کے لئے بہترین ہیں نصاب میں بھی شامل ہیں اور سٹالز پر بھی رکھی جاتی ہیں۔کسی نے احساس دلایا کہ ان کے بارے میں علماء کی رائے کیا ہے تو کہا کہ ''حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے''

(3) تلبیسِ حق و باطل: (صحیح تقلید کو شرک قرار دینا، ضعیف احادیث کا انکار)

(i)......تقلید شرک ہے (لیکن کونسی برحق ہے اور کس وقت غلط ہے یہ کبھی نہیں بتایا)

(ii)......ضعیف حدیث پر عمل کرنا تقریباً ایک جرم بنا کر پیش کیا جاتا ہے (کہ جب بخاری میں صحیح ترین احادیث کا مجموعہ ہے تو ضعیف کیوں قبول کی جائے)

(4) فقہی اختلافات کے ذریعے دین میں شکوک وشبہات پیدا کرنا: (اہل حق پر لعن طعن، ایمان اور بنیادی احکام سے زیادہ اختلافی مسائل میں الجھانا، رفع یدین، فاتحہ خلف الامام، ایک وتر، عورتوں کو مسجد جانے کی ترغیب، عورتوں کی جماعت اور زکوٰۃ میں غلط مسائل)

(i)......اپنا پیغام، مقصد اور متفق علیہ باتوں سے زیادہ زور دوسرے مدارس اور علماء پر طعن وتشنیع

(ii)......ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے بنیادی فرائض، سنتیں، مستحبات، مکروہات سکھانے

سے زیادہ اختلافی مسائل میں الجھایا گیا (پروپیگنڈا ہے کہ ہم کسی تعصب کا شکار نہیں اور صحیح حدیث کو پھیلا رہے ہیں)

(iii)......نماز کے اختلافی مسائل رفع یدین، فاتحہ خلف الامام، ایک وتر، عورتوں کو مسجد جانے کی ترغیب، عورتوں کی جماعت ان سب پر صحیح حدیث کے حوالے سے زور دیا جاتا ہے۔ [1]

(iv)......زکوٰۃ میں غلط مسائل بتائے جارہے ہیں۔ خواتین کو تملیک کا کچھ علم نہیں

(5) آسان دین: (روزانہ یٰسین پڑھنے کا انکار، اشراق اور اوابین کا انکار، خواہش نفس کے مطابق مسئلوں پر چلنے کی ترغیب، عورتوں کو بال کٹوانے کی اجازت، پکنک پارٹیاں، خواتین کے گھر سے نکلنے پر زور، ٹی وی، ریڈیو کے ذریعہ تبلیغ)

(i)......دین مشکل نہیں۔ مولویوں نے مشکل بنادیا ہے۔ دین کا کوئی مسئلہ کسی بھی امام سے لے لیں اس طرح بھی ہم دین کے دائرے میں ہی رہتے ہیں۔

(ii)......حدیث میں آتا ہے کہ آسانی پیدا کرو تنگی نہ کرو لہٰذا جس امام کی رائے آسان معلوم ہو وہ لے لیں۔

(iii)......روزانہ یٰسین پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ [2]

---

[1] اس قسم کے اختلافی مسائل کے لئے: حدیث اور اہل حدیث، تجلیات صفدر، رسول اکرم ﷺ کا طریقہ' نماز اور نماز پیمبر کتابیں ملاحظہ فرمائیں

[2] جبکہ سورہ یٰسین کے فضائل صحیح احادیث اور تفاسیر سے ثابت ہیں جن کی بنا پر بزرگان دین کا روزمرہ سورہ یٰسین شریف پڑھنے کا معمول رہا ہے۔ ایک حدیث میں سورہ یٰسین کو قرآن مجید کا دل فرمایا گیا ہے (ابوداؤد، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم) حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو شخص سورہ یٰسین کو شروع دن میں پڑھ لے اس کے تمام دن کی ضروریات پوری ہو جائیں (دارمی) ایک روایت میں ہے کہ جس نے سورہ یٰسین کو ہر رات میں پڑھا پھر مر گیا تو شہید مرا (مظاہر حق) یحییٰ بن کثیر نے فرمایا کہ جو شخص صبح کو سورہ یٰسین پڑھ لے وہ شام تک خوشی اور آرام سے رہے گا اور جو شخص شام کو پڑھ لے تو صبح تک خوشی میں رہے گا اور فرمایا کہ مجھے یہ بات ایسے شخص نے بتلائی ہے جس نے اس کا تجربہ کیا ہے (اخرجہ ابن الضریس، مظہری) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن ج ۷ ص ۳۶۲ و ۳۶۳ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رات میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے سورہ یٰسین پڑھی اس کی مغفرت کردی جائے گی (رواہ مالک، وابن السنی، وابن حبان فی صحیحہ، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۶۹ باب الترغیب فی قراءۃ سورۃ یٰسٓ وما جاء فی فضلھا و ص ۲۹۳) ایک روایت میں ہے "من قرء سورۃ یٰسٓ فی لیلۃ اصبح مغفورا لہ" کہ جس نے رات میں سورہ یٰسین پڑھی وہ صبح کرے گا مغفرت کی حالت میں (دار قطنی، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۹۲)

نوافل میں اصل صرف چاشت اور تہجد ہے اشراق اور اوابین کی کوئی حیثیت نہیں۔ [1]

(iv)......دین آسان ہے۔ بال کٹوانے کی کوئی ممانعت نہیں۔ اُمہات المومنین میں سے ایک کے بال کٹے ہوئے تھے۔ [2]

---

[1] حالانکہ اشراق کی نماز کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر سورج نکلنے تک (وہیں) بیٹھا رہا اور اللہ کا ذکر کرتا رہا پھر دو رکعتیں (اشراق کی) پڑھیں تو اس کو ایک حج اور ایک عمرے کے برابر ثواب ملے گا (ترغیب وترہیب ج ا ص ۱۶۴ بحوالہ ترمذی) اور حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے اور اشراق کی دو رکعتیں پڑھنے تک خیر کے سوا کچھ زبان سے نہ نکالے تو اس کے گناہ، خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، معاف کر دیئے جاتے ہیں (ایضاً بحوالہ ابوداؤد ومسند احمد) اہل علم حضرات نے اشراق اور چاشت کو دو الگ الگ مستقل نفل نمازیں قرار دیا ہے، اسی طرح اوّابین کی نماز کا ثبوت بھی احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان کے درمیان کوئی بری بات زبان سے نہ نکالے تو یہ چھ رکعات اس کے لئے بارہ سال کی عبادت کے برابر شمار ہوں گی (ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ترمذی، ترغیب وترہیب ج ا ص ۲۲۷) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے مغرب کے بعد بیس رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے گا (ترمذی، ترغیب وترہیب) اس وجہ سے علمائے امت اور بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ اوّابین کی رکعتیں کم از کم چھ رکعات اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہیں۔ اور انہوں نے ان کے پڑھنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے، یہاں یہ بھی یاد رہے کہ علمائے کرام کے نزدیک اوّابین مغرب کے بعد پڑھی جانے والی نفلوں کا نام ہے جن کی فضیلت حدیث میں ذکر کی جا چکی ہے۔ اگر کسی شخص کو اس نام سے اختلاف ہو اور وہ اوّابین کسی اور نماز کو قرار دے (کما قال بعض العلماء ان صلاۃ الضحی ھی صلاۃ الاوابین) تب بھی ان نفلوں کی فضیلت اپنی جگہ برقرار ہے اور اس اختلاف سے اصل مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

[2] جبکہ عورت کو سر کے بال کاٹنا جائز نہیں ہے اور اس پر قرآن وحدیث کے دلائل موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حج وعمرہ سے فارغ ہوتے وقت عورت کو صرف انگلی کے ایک پورے کے برابر بال کاٹنے کی اجازت دی گئی ہے۔ دوسرے موقعوں پر نہیں۔ عورتوں کو بال کاٹنے میں کافر عورتوں اور عام مردوں کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے جو کہ حرام ہے، الہدیٰ کی طرف سے مسلم شریف کی ایک روایت کے حوالہ سے امہات المومنین کی طرف بال کٹوانے کی نسبت پیش کی جاتی ہے، تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ اس روایت کے محدثین نے یہ معنی بیان نہیں کئے جو الہدیٰ کے ذمہ داروں نے مطلقاً بیان کر دیئے ہیں۔ کسی روایت کو غلط انداز میں پیش کرنا جائز نہیں، اوّل تو اس روایت میں راوی نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا دوسرے اس روایت کے راوی ابوسلمہ عبدالرحمٰن ہیں جو ازواج مطہرات کے شرعی محرم نہیں تھے کہ انہوں نے ازواج مطہرات کے کٹے ہوئے بالوں کا مشاہدہ کیا ہو اور نہ ہی کسی مشاہدہ کرنے والے واسطے کا ذکر کیا ہے لہٰذا یہ روایت مجہول ہونے کی وجہ سے حجت نہیں، تیسرے اس کا امکان ہے کہ راوی نے حضرت عائشہ کا یہ عمل دیکھا ہو کیونکہ یہ راوی حضرت عائشہ کے محرم تھے اور شیخین کی روایت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بالوں کا بیماری کی وجہ سے کم ہو جانا ثابت ہے اس لئے یہ احتمال غالب ہے کہ ابوسلمہ راوی نے حضرت عائشہ کے بال عام عورتوں کے مقابلہ میں کم دیکھ کر یہ سمجھ لیا ہو کہ آپ بال کترتی ہیں اور تعظیم واحترام کے لئے روایت میں جمع کا صیغہ استعمال کر لیا ہو اور مراد صرف حضرت عائشہ ہوں جو تھے اس روایت میں "کالوفرۃ" کے الفاظ آئے ہیں، (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

(v)...... دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ پکنک، پارٹیاں، اچھا لباس، زیورات کا شوق، محبت۔ من حرم زینة الله

(vi)...... خواتین دین کو پھیلانے کے لئے گھر سے ضرور نکلیں۔

(vii)...... محترمہ کا اپنا عمل طالب علموں کیلئے حجت ہے۔ محرم کے بغیر تبلیغی دوروں پر جانا، قیام اللیل کے لئے راتوں کو نکلنا، میڈیا کے ذریعے تبلیغ (ریڈیو، ٹی وی، آڈیو)

(6) آداب و مستحبات کی رعایت نہیں: (ناپاکی کی حالت میں قرآن چھونا، پڑھنا، قرآن کے احترام کی خلاف ورزی)

(i)...... خواتین ناپاکی کی حالت میں بھی قرآن چھوتی ہیں آیات پڑھتی ہیں۔ [1] قرآن کی کلاس میں قرآن کے اوپر نیچے ہونے کا احساس نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جس میں بہت سے جائز احتمالات پائے جاتے ہیں مثلاً وفرہ وہ بال ہیں جو مونڈھوں سے نیچے ہوں اور روایت میں تو مثل وفرہ کے الفاظ ہیں جو اس سے بھی نیچے ہوں گے وغیرہ اور اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے متعین طور پر ایسی چیز کو جائز قرار دینا جس کا ناجائز ہونا دوسرے دلائل سے متعین ہو صحیح نہیں۔ فی الدر المختار عن المجتبیٰ قطعت شعر راسها اثمت ولعنت زاد في البزازية وان باذن الزوج لانه لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق ولذا يحرم على الزوج قطع لحية والمعنى الموثر التشبه بالرجال اه في الاشباه احكام الانثى، قوله وتمنع من حلق راسها اى حلق شعر راسها الى قوله والظاهر ان المراد بحلق راسها ازالته سواء كان بحلق او قص اونتف اونورة فليحرر والمراد بعدم الجواز كراهة التحريم لما في مفتاح السعادة ولو حلقت فان فعلت ذالک تشبهاً بالرجال فهو مكروه لانها ملعونة اه وعن علي قال نهى رسول الله ﷺ ان تحلق المرءة راسها رواه النسائي (مشكوة باب الرجل) قلت والحلق عام للقص ايضا كما ذكر فشمله الحديث. والله اعلم (ملخص از امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۱۸ و امداد الاحکام ج ۴ ص ۳۵۷ بتغیر)

[1] جبکہ قرآن مجید کو خواتین کا ناپاکی (حیض و نفاس) کی حالت میں تلاوت کرنا اور قرآن مجید کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم قرآن کو نہ چھونا مگر اس حالت میں کہ تم پاک ہو (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۸۵ دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے (رواہ الطبرانی فی الکبیر والصغیر ورجالہ موثقون مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۶) حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن حزم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو خط عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے (موطا امام مالک ص ۱۸۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لٹکا کر نکلے آپ سے کہا گیا کہ آپ کے تو بہنوئی اور بہن صابی ہو گئے ہیں۔ آپ سیدھے بہن بہنوئی کے پاس آئے ان کے پاس مہاجرین میں سے ایک صاحب جنہیں خباب رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے موجود تھے یہ سب سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کتاب دو جو تم پڑھ رہے تھے (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

(7) متفرقات: (صرف قرآن کا ترجمہ پڑھ کر مجتہد ہونے کا دعویٰ، قرآن سمجھنے کے لئے ضروری علوم کا انکار، نا اہل خواتین کا معلم بننا)

(i)...... قرآن کا ترجمہ پڑھا کر ہر معاملے میں خود اجتہاد کی ترغیب دینا۔

(ii)...... قرآن وحدیث کے فہم کے لئے جو اکابر علمائے کرام نے علوم سیکھنے کی شرائط رکھی ہیں ان کو بیکار، جاہلانہ باتیں اور سازش قرار دینا۔

(iii)...... کسی فارغ التحصیل طالبہ کے سامنے دین کا کوئی حکم یا مسئلہ رکھا جائے تو اس کا سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ گلی گلی، محلّے محلّے ''الہدیٰ'' کی برانچز کھلی ہوئی ہیں اور ہر قسم کی طالبہ خواہ ابھی اس کی تجوید بھی درست نہ ہوئی ہو آگے پڑھا رہی ہے اور لوگوں کو مسائل میں بھی الجھایا جا رہا ہے۔ گھر کے مردوں کا تعلق مسجد سے ہے (جہاں نماز کا طریقہ فقہ حنفی کے مطابق ہوتا ہے) گھر کی عورتیں مردوں سے الجھتی ہیں کہ ہمیں مساجد کے مولویوں پر اعتماد نہیں۔

مطلوبہ سوالات (ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی کے طریقۂ کار کی شرعی حیثیت، ان کے کورس میں شرکت اور تعاون کرنا)

(i)...... مذکورہ بالا تمام مسائل کی شرعی نقطۂ نظر سے وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

(ii)...... محترمہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی کے اس طریقۂ کار کی شرعی حیثیت نیز محترمہ کی گلاسگو یونیورسٹی سے پی-ایچ-ڈی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں بھی پڑھوں اور کتاب پڑھنے لگے۔ آپ سے آپ کی بہن نے کہا کہ تم تو ناپاک ہو اور کتاب اللہ کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں اس لئے کھڑے ہو اور غسل یا وضو کرو حضرت عمر اٹھے وضو کیا پھر کتاب لے کر سورہ طٰہٰ پڑھی (دار قطنی ج ا ص ۱۲۳) حضرت ابو وائل رحمہ اللہ اپنی خادمہ کو حالت حیض ہی میں حضرت ابو زین رحمہ اللہ کے پاس بھیجتے تھے اور خادمہ ان کے یہاں سے قرآن مجید ڈوری سے پکڑ کر لاتی تھی (بخاری ج ا ص ۴۳) حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۹، ۲۳۰) جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت شرط ہے اس کے خلاف گناہ ہے ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، باوضو ہونا، حالت جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے، حضرت علی مرتضیٰ، ابن مسعود، سعد ابن ابی وقاص، سعید ابن زید، رضی اللہ عنہم عطا اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، امام شافعی، ابو حنیفہ سب کا یہی مسلک ہے (معارف القرآن ج ۸ ص ۲۸۶، بضمن آیت "لایمسہ الا المطھرون" سورہ واقعہ)

(iii)......ان کے اس کورس میں شرکت کرنا، لوگوں کو اس کی دعوت دینا اور ان سے تعاون کرنے کی شرعی نقطۂ نظر سے وضاحت فرما دیجئے؟۔ جزاکم اللہ خیر الحسن الجزاء:

مستفتیه: ایک خاتون

(One year diploma holder from Al-Huda International Islamabad)

الجواب حامدًا ومصلیاً

سوال میں جن نظریات کا ذکر کیا گیا ہے، خواہ وہ کسی کے بھی نظریات ہوں، ان میں سے اکثر غلط ہیں۔ بعض واضح طور پر گمراہانہ ہیں۔ مثلاً اجماعِ امت کو اہمیت نہ دینا، تقلید کو علی الاطلاق شرک قرار دینا، جس کا مطلب یہ ہے کہ چودہ سو سال کی تاریخ میں اُمتِ مسلمہ کی اکثریت جو ائمۂ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید کرتی رہی ہے۔ وہ مشرک تھی، یا یہ کہنا کہ قضائے عمری فوت شدہ نمازوں کو قضا کرنے کی ضرورت نہیں، صرف توبہ کافی ہے۔

بعض نظریات جمہور امت کے خلاف ہیں: مثلاً تین طلاقوں کو ایک قرار دینا۔ بعض بدعت ہیں: مثلاً صلاۃ التسبیح کی جماعت، یا قیامُ اللیل کے لئے راتوں کو اہتمام کے ساتھ لوگوں کو نکالنا، یا خواتین کو جماعت سے نماز پڑھنے کی ترغیب۔ بعض انتہائی گمراہ کن ہیں، مثلاً قرآن کریم کو صرف ترجمے سے پڑھ کر پڑھنے والے کو اجتہاد کی دعوت، یا اس بات پر لوگوں کو آمادہ کرنا کہ وہ جس مذہب میں آسانی پائیں، اپنی خواہشات کے مطابق اسے اختیار کرلیں، یا کسی کا اپنے عمل کو حجت قرار دینا۔

اور ان میں سے بعض نظریات فتنہ انگیز ہیں، مثلاً علماء و فقہاء سے بدظن کرنا، دینی تعلیم کے جو ادارے اسلامی علوم کی وسیع و عمیق تعلیم کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان کی اہمیت ذہنوں سے کم کرکے مختصر کورس کو علمِ دین کے لئے کافی سمجھنا، نیز جو مسائل کسی امام مجتہد نے قرآن وحدیث سے اپنے گہرے علم کی بنیاد پر مستنبط کیے ہیں، ان کو باطل قرار دیکر اسے قرآن

وحدیث کے خلاف قرار دینا اور اس پر اصرار کرنا۔
جو شخصیت یا ادارہ مذکورہ بالا نظریات رکھتا ہو، اور اس کی تعلیم وتبلیغ کرتا ہو، وہ نہ صرف یہ کہ بہت سے گمراہانہ، گمراہ کن یا فتنہ انگیز نظریات کا حامل ہے، بلکہ اس سے مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اور اگر کوئی شخص سہولتوں کے لالچ میں اس قسم کی کوششوں سے دین کے قریب آئیگا بھی، تو مذکورہ بالا فاسد نظریات کے نتیجے میں وہ گمراہی کا شکار ہوگا۔
لہٰذا جو ادارہ یا شخصیت ان نظریات کی حامل اور مبلّغ ہو، اور اپنے دروس میں اس قسم کی ذہن سازی کرتی ہو، اس کے درس میں شرکت کرنا، اور اس کی دعوت دینا ان نظریات کی تائید ہے جو کسی طرح جائز نہیں، خواہ اس کے پاس کسی قسم کی ڈگری ہو۔ اور گلاسگو یونیورسٹی کی ڈگری بذاتِ خود اسلامی علوم کے لحاظ سے کوئی قیمت نہیں رکھتی، بلکہ غیر مسلم ممالک کی یونیورسٹیوں میں مستشرقین نے اسلامی تحقیق کے نام پر اسلامی احکام میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور دین کی تحریف کا ایک سلسلہ عرصۂ دراز سے شروع کیا ہوا ہے۔ ان غیر مسلم مستشرقین نے جنہیں ایمان تک کی توفیق نہیں ہوئی اس قسم کے اکثر ادارے درحقیقت اسلام میں تحریف کرنے والے افراد تیار کرنے کے لئے قائم کئے ہیں۔ اور ان کے نصاب ونظام کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ اس کے تحت تعلیم حاصل کرنے والے۔ اِلَّا ماشآء اللہ۔ اکثر وبیشتر دجل و فریب کا شکار ہو کر عالمِ اسلام میں فتنے برپا کرتے ہیں۔ لہٰذا گلاسگو یونیورسٹی سے اسلامی علوم کی کوئی ڈگری نہ صرف یہ کہ کسی شخص کے مستند عالم ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس سے اس کی دینی فہم کے بارے میں شکوک پیدا ہونا بھی بے جا نہیں۔ دوسری طرف بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے ان یونیورسٹیوں سے ڈگریاں حاصل کیں۔ اور عقائد فاسدہ کے زہر سے محفوظ رہے۔ اگرچہ ان کی تعداد کم ہو۔ لہٰذا یہ ڈگری نہ کسی کے مستند عالم ہونے کی علامت ہے۔ اور نہ محض اس ڈگری کی وجہ سے کسی کو مطعون کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے عقائد واعمال درست ہوں۔
مذکورہ بالا جواب ان نظریات پر مبنی ہے جو سائلہ نے اپنے استفتاء میں ذکر کئے ہیں، اب کون

شخص ان نظریات کا کس حد تک قائل ہے؟ اس کی ذمہ داری جواب دہندہ پر نہیں ہے۔



اس جواب کے بعد حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم نے دینی خیر خواہی اور ناصحانہ ہمدردی سے کام لیتے ہوئے محترم ڈاکٹر صاحبہ کو ایک طویل اصلاحی خط لکھا جس میں نہایت دلسوزی کے ساتھ انہیں اصلاح احوال کی نصیحت کی گئی تھی۔ اس کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا کہ انہوں نے کافی عرصے تک محترم ڈاکٹر صاحبہ کے بارے میں آئے ہوئے سوالات کے انبار کا جواب ملتوی رکھا تا کہ ان باتوں کی تحقیق ہو جائے جو ڈاکٹر صاحبہ کے بارے میں طرف منسوب کی جارہی ہیں مگر جب بار بار کے رابطے کے بعد ان امور پر گفت وشنید اور ان کے متعلق کسی وضاحت سے پہلو تہی کی گئی تو آپ نے ان سوالات کا جواب اس اصلاحی خط کے ساتھ منسلک کر کے ان کو بھیجتے ہوئے تحریر فرمایا: ''اس قسم کے صرف دو سوالوں کا جواب میری طرف سے دیا گیا، اس خط کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں، مقصد یہ ہے کہ اگر آپ ان امور کے بارے میں کوئی وضاحت فرمانا چاہیں تو فرما دیں''۔

حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کی یہ احتیاط اور جذبۂ خیر خواہی حضرات علماء کرام کے معتدل مزاج اور مشفقانہ رویے کی ترجمان ہے مگر اس خط کا کوئی جواب یا ان امور کی کوئی

وضاحت آج تک نہیں کی گئی بلکہ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق اس ادارے نے الٹا حضرت اقدس مفتی صاحب کے والد مرحوم مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب میں اپنے من چاہے نظریات کی ترویج کی خاطر اضافہ کر ڈالا اور علمی بددیانتی کی ایسی بدترین مثال قائم کی جس کے بعد ان کی دعوتِ دین کی ساری مہم ہی مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس پر حضرت مفتی صاحب دو ماہ تک محترم ڈاکٹر صاحبہ کے ادارے کو توجہ دلانے اور کوئی جواب نہ پانے کے بعد مجبور ہو گئے کہ تحریف کی اس واردات سے پھیلنے والی گمراہی سے عوام الناس کو بچانے کے لئے اپنے ادارے جامعہ دارالعلوم کراچی کے ترجمان ''البلاغ'' میں ''انتباہ'' شائع کریں۔

قارئین (آگے) اس کا عکس بھی ملاحظہ فرمالیں اور اپنی قوم کی بدقسمتی دیکھیں کہ اس میں ''خالص دین'' کی دعوت دینے والے افراد اور ادارے بھی کیسا ''خالص جھوٹ'' بولتے ہیں۔

یوں تو الہدیٰ انٹرنیشنل کے قیام کی غرض و غایت اور اس کے حقیقی مقاصد کا کھوج لگانے اور ان کے پھیلائے ہوئے گمراہ کن نظریات کو غلط مسائل پر کام کرنے کے لئے مستقل محنت کی ضرورت تھی، مگر اسی ادارے نے اپنے مشن کی جلد از جلد تکمیل کے لئے کچھ ایسے کام کئے۔ جن کے بعد اس کی گمراہی کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کسی خاص محنت کی ضرورت نہیں رہی۔ بطور مثال کے الہدیٰ انٹرنیشنل کی یہ جسارت کوئی اتفاقی یا اکلوتا حادثہ نہیں، انہوں نے دیگر تحریرات میں بھی ردو بدل کر کے اپنے من گھڑت نظریات اور پسندیدہ مسائل کو دوسرے حضرات کی کتابوں میں داخل کر کے انہیں اپنے ادارے سے چھاپا ہے اور اس سنگین خیانت کے ذریعے اپنے اغراض و مقاصد، مزاج و طریق کار اور اصل عزائم کی نشاندہی خود ہی کر دی ہے۔ اگلے شمارے میں قارئین اسی طرح کی ایک اور خطرناک تحریف کا احوال ملاحظہ فرمائیں گے جس کے بعد اس ادارے کے اصل مقاصد پہچاننے میں کسی طرح کا کوئی ابہام نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں خصوصاً دین سیکھنے کے شوق میں غلط اداروں کے چنگل میں پہنچ جانے والی ہماری محترم بہنوں کی ہر طرح کے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین (ماخوذ از ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کراچی۔ شمارہ ۲۲، ۱۰ تا ۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ ۲۴ تا ۳۰ مئی ۲۰۰۲ء)

مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے

الہدیٰ انٹرنیشنل کی مفتی اعظم پاکستان کی تصنیف میں تحریف

رسالہ میں درج ایک پیراگراف کے اضافے سے رسالہ کی تصنیف کا اصل مقصد ہی فوت کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے

کراچی (ضرب مومن) اتحاد امت میں نفاق اور انتشار پیدا کرنے کے لئے نامور، صاحب الرائے علماء کرام کی تصانیف میں تحریف سے غیر متنازع علمی و فقہی مسائل کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی مذموم سازش کا انکشاف

الہدیٰ انٹرنیشنل کراچی نامی ادارے نے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے "وحدت امت" نامی رسالہ میں الہدیٰ انٹرنیشنل نے اپنے نام سے طبع کرائے گئے نسخے میں ایک پیراگراف کا اضافہ کر ڈالا۔ تفصیلات کے مطابق مختلف علماء کرام کی تصانیف میں مفہوم بدل کر عوام کو خالص فقہی مسائل میں الجھانے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے کا سلسلہ عرصے سے جاری ہے تاہم مشاہیر کی مطبوعات میں از خود ردوبدل کرنے کے سلسلے میں الہدیٰ انٹرنیشنل پیش پیش ہے۔ یہ ادارہ الہدیٰ انٹرنیشنل ویلفیئر فاؤنڈیشن کے نام سے اسلام آباد میں رجسٹرڈ ہے اور ۲۶ ستمبر ۱۹۹۴ء سے کام کر رہا ہے لیکن مطبوعات صرف الہدیٰ انٹرنیشنل کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ یہ ادارہ ممتاز علماء کرام کی تصانیف شائع کرتا ہے جس کی وجہ سے سادہ لوح مسلمان اس پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں مذکورہ ادارہ وحدت امت رسالہ طبع کر رہا ہے مگر اس کے صفحہ نمبر آٹھ پر آخری پیراگراف کا ایک ایسا اضافہ از خود کر ڈالا ہے جو "وحدت امت" کی اصل مکتبہ المعتبر کی مطبوعہ میں موجود ہے نہ دار الاشاعت اردو بازار کراچی کے کسی ایڈیشن میں۔ اس اضافے کے باعث رسالہ کا مقصد ہی فوت ہو گیا ہے جو کسی بھی پڑھنے والے کے عقیدے کی خرابی کا موجب بن سکتا ہے۔ اس سنگین حرکت پر ادارے کو دار العلوم کراچی کی جانب سے متعدد بار انتباہ بھی کیا گیا لیکن دو ماہ سے الہدیٰ انٹرنیشنل نے کوئی توجہ نہیں دی جو علمی اور دینی حلقوں کے نزدیک انتہائی تشویش کا باعث ہے۔

(ماخوذ از ہفت روزہ "ضرب مومن" کراچی۔ جلد ۶ شمارہ ۲۱، ۴ تا ۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ بمطابق ۱۷ تا ۲۳ مئی ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۱،۷)

''ماہنامہ البلاغ'' کی طرف سے ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' کی بددیانتی سے عوام الناس کو آگاہ کرنے کے لئے شائع کیا گیا

ضروری انتباہ!

''الہدیٰ انٹرنیشنل کراچی'' نام کے ایک ادارے نے بانیٔ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''وحدتِ امت'' کسی اجازت یا اطلاع کے بغیر شائع کیا ہے، اور اس میں اپنی طرف سے صفحہ نمبر ۸ پر یہ پیراگراف بڑھا دیا ہے:

''مسئلہ پوچھنے والا اپنے عالم سے گذارش کرے کہ براہ مہربانی مجھے اس مسئلے کے متعلق دوسرے ائمہ حضرات کی رائے سے بھی مطلع فرمائیں تا کہ میں اپنی سہولت کے مطابق جس کی رائے پر چاہوں عمل کرسکوں۔ علماء کرام کو بھی چاہئے کہ وہ دیانت داری سے سب کی آراء پوچھنے والے کو بتادیں۔ اس طرح وہ خود بھی خطاؑ کے احتمال سے محفوظ رہیں گے۔''

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''وحدت امت'' سب سے پہلے ''مکتبہ المعتبر'' لائل پور نے شائع کیا تھا۔ اس کے بعد دارالاشاعت کی طرف سے بار بار شائع ہوتا رہا ہے۔ ان میں سے کسی ایڈیشن میں یہ پیراگراف موجود نہیں ہے، الہدیٰ انٹرنیشنل نے اپنی طرف سے یہ پیراگراف گھڑ کر کتاب کے بیچ میں اس طرح شامل کردیا ہے کہ وہ مصنف ہی کی طرف منسوب ہو۔ حالانکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ کبھی یہ پیراگراف کبھایا لکھا ہے۔ نہ یہ ان کے سوچے سمجھے نظریہ کے مطابق ہے۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی دوسری تحریروں میں دلائل کے ساتھ کیا ہے۔

کسی مصنف کی کتاب میں اپنی طرف سے اضافہ اور وہ بھی اس کے نظریے کے قطعی خلاف، انتہائی افسوسناک، بددیانتی اور تحریف کی بدترین مثال ہے۔ اس سلسلے میں ''الہدیٰ'' کے ذمہ دار

حضرات کو اس طرف توجہ دلائی گئی لیکن تقریباً دو ماہ تک بار بار توجہ دلانے کے باوجود ان کی طرف سے کوئی اعلان شائع نہیں کیا گیا لہٰذا مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے یہ اعلان شائع کیا جارہا ہے۔ جامعہ دارالعلوم کراچی (ماہنامہ "البلاغ" مئی ۲۰۰۲ء)

الہدیٰ انٹرنیشنل کی طرف سے کتاب کی تحریف انتہائی بددیانتی ہے

ادارے کو مذہبی مسائل توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی سزا ملنی چاہیے، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا سمیع الحق ودیگر علماء کا شدید ردعمل

کراچی (اسٹاف رپورٹر) ضرب مؤمن میں الہدیٰ انٹرنیشنل کی جانب سے مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی ایک تصنیف میں آزاد خیالی کی ترغیب کے لئے تحریف کے انکشاف پر مختلف جماعتوں، دینی اداروں کی جانب سے سخت ردعمل سامنے آیا ہے۔ مختلف مذہبی رہنماؤں اور علماء کرام نے عوام کے لئے مذکورہ ادارہ کی نشریات کے بائیکاٹ کی اپیل کی ہے اور حکومت سے سنگین بددیانتی اور ادبی سرقے کے مرتکب اس ادارے کو بند کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس ضمن میں دارالعلوم کراچی کے صدر مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے الہدیٰ کی جانب سے تحریف پر مبنی اس خبر کی ضرب مؤمن میں اشاعت کو لوگوں کی آگاہی کے لئے مستحسن اقدام قرار دیتے ہوئے کہا کہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تصنیف کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے لئے الہدیٰ انٹرنیشنل کی جانب سے شریعت میں آزادی پیدا کرنے کی غرض سے تحریف بدترین بددیانتی ہے انہوں نے کہا کہ ہماری جانب سے باقاعدہ نوٹس بھی جاری کیا گیا تھا لیکن اس ادارے نے کوئی توجہ نہیں دی اس لئے اس ادارے کو مذہبی مسائل توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی سزا ملنی چاہئے۔ جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا سمیع الحق، مولانا اسعد تھانوی، ڈاکٹر قاسم محمود ودیگر نے اپنے ردعمل میں الہدیٰ انٹرنیشنل کی بددیانتی کی سخت مذمت کرتے ہوئے عوام الناس کو گمراہ کرنے کا نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے (ماخوذ از ہفت روزہ "ضرب مؤمن" کراچی۔ جلد ۶ شمارہ ۲۱، ۴ تا ۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ بمطابق ۱۷ تا ۲۳ مئی ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۱و ۷)

الہدیٰ کا اپنی بددیانتی پر عذرِ لنگ

ڈاکٹر خالد عزیز کی طرف سے وضاحت کی گئی ہے کہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی کتاب ''وحدتِ امت'' (جو ادارہ الہدیٰ انٹرنیشنل کی طرف سے شائع ہوئی) کے صفحہ 8 کے آخر پر حاشیہ کی عبارت ٹائپسٹ (کمپیوٹر) کی غلطی سے متن میں شامل ہوگئی ہے۔ متن کی عبارت میں جو مضمون بیان ہو رہا تھا اس کی وضاحت کے سلسلے میں حاشیہ کی جو عبارت متن میں شامل ہوگئی تھی، اس عبارت کا مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ کی تحریر سے کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر خالد عزیز نے کہا کہ غلطی سے متن کی عبارت میں جو زیادتی ہوگئی ہے اس پر ادارہ الہدیٰ انٹرنیشنل کی طرف سے اور میں اپنی طرف سے (کیونکہ یہ حاشیہ میں نے لکھا تھا) جامعہ دارالعلوم کراچی کے قابل احترام علمائے کرام اور عوام سے معذرت خواہ ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس اعتذار کے بعد تلخی کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

الہدیٰ انٹرنیشنل کی یہ وضاحت عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے اس لئے کہ: (۱) کتاب کے شروع یا آخر میں کہیں یہ وضاحت نہیں کہ اس ایڈیشن میں حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ فلاں کے قلم سے ہے (۲) کسی دوسرے مصنف کی کتاب کے حاشیے پر ایسی کوئی بات درج کرنا جو اس مصنف کی اپنی سوچی سمجھی رائے اور عمر بھر کی تحقیق کے خلاف ہو، بدترین علمی بددیانتی ہے خصوصاً جبکہ محشی آخر میں قوسین کے درمیان اپنا نام لکھ کر یہ وضاحت بھی نہ کرے کہ یہ فٹ نوٹ کس کا ہے تو قاری اسے مصنف ہی کی طرف منسوب کرے گا لہٰذا حاشیے کو متن میں شامل کرنا کمپوزر کی غلطی مان بھی لی جائے تو یہ بات اپنی جگہ باقی رہتی ہے کہ ڈاکٹر خالد عزیز صاحب اپنی علمی حیثیت سے قطع نظر حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ جیسے عالمی سطح کے مدبر اور بلند پایہ عالم دین کی کتاب پر چار سطری اکلوتا حاشیہ چڑھانا ہی چاہتے تھے تو انہوں نے اسے اپنی طرف منسوب کیوں نہ کیا؟ کیا اس کے آخر میں ان کے نام کا حذف بھی کمپوزر کی غلطی تھی؟ (۳) جامعہ دارالعلوم کراچی کے اکابر دو ماہ تک الہدیٰ سے رابطہ کر کے اس سنگین غلطی پر انتباہ کرتے رہے ہیں بالآخر مجبور ہو کر انہیں اس تحریف سے عوام الناس کو آگاہ کرنا پڑا، آج اس واقعے کو کئی ماہ ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر

صاحب نے اس سارے عرصے میں اس غلطی کا اظہار کر کے معاملہ ختم کیوں نہ کیا؟

یہ سارے قرائن بتلاتے ہیں کہ تحریف کے بعد اب کذب بیانی کا ارتکاب کیا جارہا ہے۔ افسوس کہ ہمارا اخلاقی انحطاط اس قدر بڑھ گیا ہے کہ سو جھوٹ بولنا ایک جھوٹ سے توبہ کرنے کی بنسبت زیادہ سہل ہو چکا ہے۔ جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے اعتذار کی بات ہے تو عمد کو خطا قرار دے کر معذرت کرنا، اعتذار نہیں، پہلے سے زیادہ سنگین جرم ہے اور یہ اس وقت تک جرم رہے گا جب تک جان بوجھ کر کئے گئے کام کو ماتحت عملے کی غلطی کا لبادہ اوڑھانے کی کوشش کی جاتی رہے گی۔ ؎

(روزنامہ اسلام، شمارہ ۲۲، منگل، ۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۱ جون ۲۰۰۲ء، فرنٹ پیج "بین السطور" از ملاجیون)

؎ الہدیٰ انٹرنیشنل کی طرف سے ڈاکٹر خالد عزیز نے جو وضاحت کی ہے کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب "وحدت امت" (جو ادارہ الہدیٰ انٹرنیشنل کی طرف سے شائع ہوئی) کے صفحہ ۸ کے آخر پر حاشیہ کی عبارت ٹائپسٹ (کمپوزر) کی غلطی سے متن میں شامل ہوگئی ہے۔ متن کی عبارت میں جو مضمون بیان ہو رہا تھا اس کی وضاحت کے سلسلے میں حاشیہ کی جو عبارت متن میں شامل ہوگئی تھی، اس عبارت کا مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ کی تحریر سے کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر خالد عزیز نے کہا کہ غلطی سے متن کی عبارت میں جو زیادتی ہوگئی ہے اس پر ادارہ الہدیٰ انٹرنیشنل کی طرف سے اور میں اپنی طرف سے (کیونکہ یہ حاشیہ میں نے لکھا تھا) جامعہ دارالعلوم کراچی کے قابل احترام علمائے کرام اور عوام سے معذرت خواہ ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس اعتذار کے بعد خفگی کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

یہ وضاحت ہرگز قابل قبول نہیں بلکہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہے، اس لئے کہ اعتذار وہی مسموع ہوسکتا ہے جس میں غلطی کا مصنوعی جواز پیش کرنے کی بجائے کھلے دل سے اپنے جرم کا اعتراف کیا گیا ہو۔ مذکورہ بالا معذرت خواہی میں دیدہ و دانستہ کی گئی سنگین حرکت کو سہو کا لبادہ اوڑھا کر لیپا پوتی کی گئی ہے اور چونکہ اس خطرناک ترین جسارت کے عمداً اور قصداً ہونے پر کئی قرائن موجود ہیں اس واسطے جب تک الہدیٰ کے ذمہ داران کھل کر اس بددیانتی کا اعتراف نہیں کر لیتے تب تک ان کے دامن سے اس گناہ کا بدنما داغ دھل نہیں سکتا۔ ڈاکٹر خالد صاحب کس اخلاقی اصول کے تحت اپنا نام ظاہر کئے بغیر ایک اختلافی موضوع پر ایسا حاشیہ چڑھانا چاہتے تھے جو ایک مستند علمی شخصیت کے سوچے سمجھے نظریے اور زندگی بھر کی تحقیق کے خلاف ہو پھر انہوں نے جامعہ دارالعلوم کراچی کے اکابر کی طرف سے بار بار رابطے کے باوجود اپنا یہ عذر لنگ پیش کیوں نہیں کیا؟ حاشیہ نگاری کے مستند اصولوں کے برخلاف اضافہ کی گئی عبارت حاشیہ کے اسلوب اور حوالے کی بجائے اصل متن کے سیاق و سباق سے کیوں جوڑ کھاتی ہے؟ کتاب چھپتے ہی ڈاکٹر صاحب نے اس سنگین غلطی کا اظہار کیوں نہیں کیا؟ کئی ماہ تک کس چیز نے انہیں ایک خطرناک گمراہی کا سبب بننے والی غلطی کے اظہار سے روکے رکھا؟ یہ سب قرائن و شواہد ایسے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی بھی ذی ہوش شخص اسے غلطی تسلیم نہیں کرے گا نہ ہی ایسی کوئی وضاحت الہدیٰ کے زمین بوس ہو جانے والے تشخص اور اعتماد کو سہارا دے سکتی ہے بلکہ ایسی معذرت خواہی الٹا ان حضرات کے من گھڑت اور حق پرستی سے محرومی کی دلیل بنی رہے گی (ماخوذ از ہفت روزہ "ضرب مومن" کراچی جلد ۶ شمارہ ۲۵۔ ۲ تا ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ بمطابق ۱۴ تا ۲۰ جون ۲۰۰۲ء)

دینی مسائل میں اجماع کی مخالفت

الہدیٰ انٹرنیشنل کی گمراہ کن سرگرمیوں کا جائزہ

(مفتی ابولبابہ، شاہ منصور)

اہل پاکستان کے مزاج میں عموماً پائی جانے والی بے احتیاطی اور لاپرواہی کے متعلق ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک غیر ملکی مندوب جب پاکستان کا دورہ مکمل کر کے جانے لگے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اہلیانِ پاکستان کو کیسا پایا؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے ملک میں ہر شخص ڈاکٹر ہے اور ہر شخص مفتی۔ یعنی کسی بیمار کے سرہانے چار آدمی جمع ہوں تو وہ اس کو کم از کم پانچ نسخے ضرور بتا جائیں گے، ایک اضافی اس لئے کہ غلطی کی گنجائش نہ رہے اور اگر کسی کو کوئی شرعی مسئلہ درپیش ہو تو جس کو بھی دو لفظ بولنے آتے ہوں وہ رائے دینے سے پیچھے نہیں رہے گا، حالانکہ طب اور افتاء دونوں نازک ترین شعبے ہیں۔ ایک کا تعلق انسان کی دنیوی زندگی کی بقا و فنا سے اور دوسرے کا اس کی آخرت کے بننے اور بگڑنے سے ہے، مگر ہم ان دونوں موضوعات میں اتنی ہی بے احتیاطی اور لاپرواہی کرتے ہیں کہ جتنی ہماری قومی تضحیک کا زیادہ سے زیادہ سبب بن سکے۔

حضرت والا حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ دینی مسائل میں ہر کس و ناکس کی جرأت گفتار پر سخت تنقید فرماتے ہوئے اس کو علاماتِ قیامت میں سے شمار فرماتے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

الف کو کیل جانیں سب بیچارے مگر دعویٰ ہے سب کا اجتہادی

الہدیٰ انٹرنیشنل کے کارپردازان پر اس مزاج کا پرتو کچھ زیادہ ہی نظر آتا ہے۔ اگر ان کی اب تک کی کارکردگی پر سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ عجیب و غریب بات سامنے آتی ہے کہ وہ دین سے دور مسلمانوں کو دین کے متفق علیہ مسائل کی طرف بلانے کی بجائے ایک ایک کر کے ان مسائل کو ان کے ذہن سے نکال رہے ہیں جن سے مسلمان کسی طرح کی ذمہ داری محسوس کرے اور جن کی بناء پر اس کے دل میں من چاہی زندگی بسر کرنے کی بجائے اللہ و رسول کی بیان کردہ

حدود و قیود کی پابندی کا احساس پیدا ہو۔ پچھلی قسط میں آپ نے پڑھا کہ ان کی بنیادی محنت اپنے شاگردوں اور متعلقین پر اس حوالے سے ہوتی ہے کہ وہ ائمہ کرام کی تحقیقات پر عمل کرنے کی بجائے ان کے مختلف اقوال میں سے اپنی سہولت کے مطابق انتخاب کر کے ان اقوال پر عمل کریں جن پر ان کا خواہش پرست دل ٹھکتا ہو۔ چونکہ یہ خطرناک طرز عمل باجماع امت حرام ہے اور اہل حق کے سلف وخلف میں کوئی اس کا قائل نہیں، اس لئے وہ اس باطل نظریے کی تائید وترویج کے لئے اکابر علماء امت کی تحریرات میں تحریف واضافے جیسی قبیح حرکت پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ الہدیٰ والے حضرات نے شریعت کے جن مسائل میں نئی اپچ پیدا کر کے آزاد خیالی اور من مانی کا راستہ کھول دیا ہے ان کی فہرست کچھ کم نہیں۔ نماز سے جہاد تک اور تلاوت قرآن سے حج تک کوئی موضوع ان کی طبع آزمائی سے محفوظ نہیں رہا اور یہ سلسلہ جاری رہا تو نجانے کہاں تک پہنچے گا اور دین کا جو تصوراتی خاکہ یہ حضرات پیش کر رہے ہیں اس کی تکمیل پر خدا جانے اسلام سے اس کا تعلق کس حد تک باقی رہے گا۔ شاید کسی کو یہ بات مبالغہ محسوس ہو لیکن اب تک جن مسائل میں ان کا جمہور امت سے جداگانہ نظریہ سامنے آچکا ہے اس پر ایک نظر ڈالیں تو حقیقت کچھ اس سے بھی زیادہ خوفناک صورت میں سامنے آتی ہے۔ تو آیئے آج پہلا مسئلہ دیکھتے ہیں۔ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ قضاء شدہ نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے صرف توبہ کافی نہیں۔ مگر الہدیٰ کی بانی ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ فرماتی ہیں کہ قضاء عمری کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سلسلے میں ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے عالم اسلام کی ممتاز ترین علمی وروحانی شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب کی تلخیص پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اغلاط سے بچنے کی خاطر ہم عربی عبارات کی بجائے ان کے ترجمے پر اکتفا کریں گے۔

قضاءِ عمری کی شرعی حیثیت

سوال:...... ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ درسِ قرآن دیتے ہوئے اس بات پر بہت زور دیتی ہیں کہ ''قضاءِ عمری'' کا جو مسئلہ لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کسی شخص نے بہت عرصے تک نمازیں نہ پڑھی

ہوں، پھر وہ نماز شروع کرے تو اُسے قضاءِ عمری کے طور پر وہ نمازیں قضاء کرنی چاہئیں، قرآن وسنت میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ پچھلی زندگی میں جو نمازیں قضاء ہوئی ہوں، ان کی تلافی صرف توبہ سے ہو جاتی ہے، اتنی ساری نمازیں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ براہِ کرم یہ واضح فرمائیں کہ کیا شریعت میں پچھلی نمازوں کی قضاء واقعی ضروری نہیں ہے؟ اور کیا ائمہ اربعہ یا فقہاء کرام میں سے کسی کا مذہب یہ ہے کہ نمازیں زیادہ قضاء ہو جائیں تو ان کی تلافی صرف توبہ سے ہو جاتی ہے، اور قضاءِ عمری پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے؟ اگر ان صاحبہ کا بتایا ہوا یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے تو کیا ان کے درس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ نیز اگر قضاءِ عمری ضروری ہے تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ ....(محمد رضوان، کراچی)

اَلجواب حامدًا ومصلّیًا

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے:

جو شخص کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو اس پر لازم ہے کہ جب بھی اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے، اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں (صحیح بخاری، کتاب المواقیت، باب نمبر ۳۷ حدیث ۵۹۷)

صحیح مسلم میں آپ ﷺ کا ارشاد اِن الفاظ میں مروی ہے:

جب تم سے کوئی شخص نماز سے سو جائے یا غفلت کی وجہ سے چھوڑ دے تو جب بھی اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (میری یاد آنے پر نماز قائم کرو) (صحیح مسلم، آخر کتاب المساجد، حدیث نمبر ۱۵۶۹)

اور سنن نسائی میں مروی ہے:

رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نماز کے وقت سو جائے یا غفلت کی وجہ سے چھوڑ دے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب بھی اسے نماز یاد آئے وہ نماز پڑھے (سنن النسائی، کتاب المواقیت باب فیمن نام عن صلاۃ ص ۱۷ ج ۱)

ان احادیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ اصول بیان فرمادیا ہے کہ جب کبھی انسان کوئی نماز وقت پر نہ پڑھے تو اس کے ذمے لازم ہے کہ متنبہ ہونے پر اس کی قضاء کرے، خواہ یہ نماز بھول سے چھوٹی ہو، سو جانے کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے۔ صحیح مسلم رحمہ اللہ اور سنن نسائی رحمہ اللہ کی روایتوں میں اس موقع پر آپ ﷺ نے آیت قرآنی ''اقم الصلاۃ لذکری'' کا حوالہ دے کر یہ بھی واضح فرمادیا کہ یہ آیت قرآنی نماز کی قضاء پڑھنے کے حکم کو بھی شامل ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کا یہ فریضہ ادا کرنے پر متنبہ ہو، اُسے نماز ادا کرنی چاہیے نمازیں قضاء پڑھنے کا جو حکم آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا احادیث میں دیا ہے اس کی بنیاد پر تمام فقہائے امت نے تصریح فرمائی ہے کہ چھوٹی ہوئی نمازیں کتنی زیادہ ہوں، ان کی قضاء ضروری ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی تمام مکاتب فکر اس پر متفق ہیں۔[۱]

لہٰذا یہ کہنا کہ اگر فوت شدہ نمازیں بہت زیادہ ہوگئی ہوں تو ان کی قضاء لازم نہیں، قرآن وسنت کے واضح دلائل اور ان پر مبنی فقہاء امت کے اتفاق کے بالکل خلاف ایک گمراہانہ بات ہے، اور نماز جیسے اہم فریضے کو محض اپنی رائے کی بنیاد پر ختم کردینے کے مترادف ہے۔ اور یہ کہنا بالکل غلط

---

[۱] مذکورہ بالا روایات میں جناب نبی کریم ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ اگر بھول کر یا نیند اور غفلت کی وجہ سے کوئی نماز چھوٹ جائے تو یاد آنے پر اس کی قضاء کرلی جائے حالانکہ بھول، نیند اور غفلت ایسی حالتیں ہیں جن میں شریعت نے انسان کو معذور قرار دیا ہے تو جب ان حالتوں میں قضاء کرنے کا حکم دیا جارہا ہے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی جائے تو اس کی قضاء کی ضرورت نہیں! یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے والدین کو اف کہنے اور جھڑکنے سے منع فرمایا ہے، مارنے کی ممانعت نہیں فرمائی، لہٰذا والدین کو مارنا جائز ہونا چاہئے، کوئی ادنیٰ درجہ کا فہم رکھنے والا بھی یہ آیت سن کر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب اف کہنے اور جھڑکنے تک سے منع کیا گیا ہے تو مارنے کی ممانعت تو بطریق اولیٰ ہوگی، اسی طرح بھول، نیند اور غفلت کی وہ حالتیں جن میں شریعت اور قانون انسان کو معذور قرار دیتے ہیں ان میں قضاء کا حکم ہے تو جو نمازیں عمداً جان بوجھ کر چھوڑی ہیں ان کی قضاء تو بطریق اولیٰ لازم ہوگی، ان احادیث سے جو استدلال کیا گیا ہے۔ اصولیین کی اصطلاح میں دلالۃ النص سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ بھی استدلال کا نہایت مستند ومعتبر طریقہ ہے (ماہنامہ البلاغ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ جنوری ۲۰۰۳ء صفحہ نمبر ۳۹) (خلاصہ یہ ہے کہ) کوئی ہوش مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن مجید میں والدین کو عمداً مارنے کی کوئی ممانعت مذکور نہیں، کیونکہ اس آیت کا عقلی تقاضا ہی یہ ہے کہ جب جھڑکنے اور اف کہنے کی ممانعت ہے تو مارنے کی بطریق اولیٰ ممانعت ہوگی۔ بالکل اسی طرح ہر عقل مند شخص وہ احادیث سن کر جن میں نیند، غفلت اور بھول کی وجہ سے نماز قضاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جان بوجھ کر ترک کرنے کی صورت میں قضاء کا حکم بطریق اولیٰ ہوگا (ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ فروری ۲۰۰۳ء صفحہ نمبر ۳۵)

ہے کہ فوت شدہ نمازوں کے لئے بس توبہ کرلینا کافی ہے، اس لئے کہ توبہ کی قبولیت کی لازمی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی کی جتنی تلافی بس میں ہو، وہ تلافی بھی ساتھ کرے۔

یہاں یہ واضح کردینا بھی مناسب ہے کہ اصول حدیث کی بعض کتابوں میں موضوع احادیث کی علامتیں بیان کرتے ہوئے قضاء عمری کی حدیث کی مثال دی گئی ہے۔............(لیکن) قضاء عمری کی جن روایات کو موضوع قرار دیا گیا ہے، ان سے مراد قضاء عمری کے بارے میں اس قسم کی روایات ہیں جو ایک نماز یا چند نمازوں کو عمر بھر کی نمازوں کے قائم مقام قرار دیتی ہیں، اور علاوہ اس کے کہ اس قسم کی روایات کی کوئی سند نہیں ہے، ان کے موضوع ہونے کی وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ایک یا چند نمازیں سالہا سال کی فوت شدہ نمازوں کی تلافی نہیں کرسکتیں، اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو ان احادیث کو موضوع قرار دینے سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ قضاء عمری کا تصور ہی بے بنیاد ہے اور پچھلی نمازوں کی قضاء لازم نہیں تو اس کا منشاء جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

قضاء عمری کا صحیح طریقہ

قرآن وسنت اور فقہائے کرام رحمہ اللہ کے اتفاق کی روشنی میں یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ جس مسلمان نے اپنی عمر کی ابتدا میں نمازیں اپنی غفلت یا لاپروائی کی وجہ سے نہ پڑھی ہوں اور بعد میں اسے تنبہ اور توبہ کی توفیق ہو، اس کے ذمے یہ ضروری ہے کہ اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کا محتاط حساب لگا کر انہیں ادا کرنے کی فکر کرے۔.............بعض علماء نے مزید آسانی کے لئے یہ طریقہ بتایا ہے کہ انسان روزانہ ہر فرض نماز کے ساتھ اسی وقت کی ایک قضا نماز پڑھ لیا کرے، اس طرح ایک دن میں پانچ نمازیں ادا ہوجائیں گی، البتہ جب موقع ملے اس سے زیادہ بھی پڑھتا رہے۔......البتہ قضا پڑھنے میں نیت کا خیال رکھا جائے، یعنی واضح طور پر قضا کی نیت کی جائے، مثلاً فجر کی قضا پڑھ رہے ہیں تو نیت کریں کہ میرے ذمے فجر کی جو سب سے پہلی نماز واجب ہے، اس کی قضاء پڑھ رہا ہوں۔

خلاصہ

یہ ہے کہ انسان سے جو نمازیں چھوٹ گئی ہوں۔ ان کی قضاء اس کے ذمے لازم ہے، صرف توبہ کر لینے سے وہ معاف نہیں ہوتیں خواہ کتنی زیادہ ہوں۔ البتہ وہ اگر روزانہ پانچ نمازوں کی قضا کرنا شروع کر دے اور جب زیادہ پڑھنے کا موقع ملے زیادہ بھی پڑھے اور ساتھ ہی یہ وصیت بھی کر دے کہ جو نمازیں میں اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکوں ان کا فدیہ میرے ترکے سے ادا کیا جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اس کی کوتاہی کو معاف فرما دینگے۔ قضاء عمری کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ اور یہ کہنا کہ قضاء عمری پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، صرف توبہ کافی ہے، گمراہی کی بات ہے اور جو شخص نماز جیسے بنیادی فریضے میں محض اپنی رائے سے کسی دلیل کے بغیر اس قسم کی گمراہانہ بات کی تلقین اور اس پر اصرار کرے اس کے درس پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ بندہ محمد تقی عثمانی۔ دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴۔۱۳/رجب ۱۴۲۲ھ

(یہ حضرت کے جواب کی تلخیص ہے اصل فتویٰ جس کا نمبر ۵۵/۵۰۰ ہے ماہنامہ البلاغ جلد ۳۶ شمارہ ۱۱ بابت ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ/فروری ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے، اور دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے حاصل کیا جا سکتا ہے)

آپ نے دیکھا کہ اس فتویٰ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے حسب عادت کس عالمانہ تحقیق اور معتدل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔ الہدیٰ کے کارپردازان سے تو نہ ہو سکا کہ وہ عوام الناس سے نماز قضاء کرنے کا گناہ چھڑانے کی محنت آگے بڑھا سکیں تو انہوں نے ان پر یہ احسان کر دیا کہ گذشتہ قضاء نمازوں کی فکر سے انہیں آزاد کر دیا۔ یعنی مسلمان کے پس احساس گناہ کی صورت میں مغفرت کا جو آخری بہانہ ہوتا ہے اس سے بھی اسے محروم کرنے کا سامان کر دیا گیا ہے (ماخوذ از ہفت روزہ "ضرب مومن" کراچی۔ شمارہ ۲۳ ۱۷ ربیع الاول تا ۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ ۳۱ مئی تا ۶ جون ۲۰۰۲ء)

ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی اور الہدیٰ انٹرنیشنل

(مفتی محمد: دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی)

سوال: ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ کی مختلف جگہوں میں درس کی محفلیں ہورہی ہیں جن میں فیشن زدہ اور دنیوی تعلیم یافتہ خواتین کثرت سے شریک ہوتی ہیں۔ کراچی کے ایک روزنامہ میں بھی ڈاکٹر صاحبہ کا درسِ قرآن شائع ہوتا ہے۔ نیز ڈاکٹر صاحبہ نے ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' نامی ادارہ بھی قائم کیا ہے۔ جہاں بچیوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے اور ایک مختصر کورس کروا کر خواتین میں درس دینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے درس میں ایسی باتیں بھی سننے میں آتی ہیں جو اس سے پہلے نہیں سنی گئیں۔

آپ کی خدمت میں اس روزنامہ کے دو تراشے ارسال ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحبہ کے متعلق اپنی رائے تحریر کریں کیا ان کے درس میں شریک ہونا یا روزنامہ میں ان کا درس پڑھنا جائز ہے؟ کیا اپنی بچیوں کو ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' یا اس کی کسی شاخ میں پڑھانا جائز ہے؟ (ساجد کراچی)

جواب: روزنامہ کے مرسلہ تراشے دیکھنے اور اس کے علاوہ بھی ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ کی مختلف باتیں پڑھنے اور سننے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ قرآن وسنت کی اشاعت کے نام پر کئی غلط نظریات کی اشاعت کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر صاحبہ نے گلاسکو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے (جس کا اعتراف خود انہوں نے ایک روزنامہ میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں بھی کیا ہے) گلاسکو یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کرنا بھی ڈاکٹر صاحبہ کو مشکوک بنانے کے لئے کافی ہے کیونکہ غیر مسلم ممالک کی یونیورسٹیوں میں مستشرقین نے اسلامی تحقیق کے نام پر اسلامی احکام میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور دین میں تحریف کرنے کا سلسلہ عرصہ دراز سے شروع کیا ہوا ہے۔ اس قسم کے اکثر ادارے درحقیقت اسلام میں تحریف کرنے والے افراد تیار کرنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور ان کے نصاب و

نظام کو اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ اس کے تحت تعلیم حاصل کرنے والے اکثر و بیشتر دجل و فریب کا شکار ہو کر عالم اسلام میں فتنے برپا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبہ کے جو نظریات سامنے آئے ہیں ان میں سے بعض واضح طور پر گمراہانہ ہیں، بعض انتہائی گمراہ کن ہیں، بعض فتنہ انگیز ہیں، جس کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

تقلیدِ صحیح کو غلط قرار دینا

(۱)......تقلید کو علی الاطلاق ناجائز قرار دینا: چودہ سو سال کی تاریخ میں امت مسلمہ کی اکثریت ائمہ مجتہدین کی تقلید اس بناء پر کرتی آئی ہے کہ ان کے بیان کردہ مسائل قرآن و سنت ہی سے ماخوذ ہیں، اگر علی الاطلاق (ہر طرح سے) اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امت مسلمہ کی اکثریت (سوائے ڈاکٹر صاحبہ اور ان کے ہمنواؤں کے نعوذ باللہ تعالیٰ) گمراہی میں رہی ہے۔

زیادہ فوت شدہ قضاء نمازوں کا انکار

(۲)......یہ کہنا کہ اگر فوت شدہ نمازیں بہت ہو گئی ہوں تو ان کی قضاء لازم نہیں، صرف توبہ کافی ہے: یہ بھی واضح گمراہی ہے اور نماز جیسے اہم فریضے کو محض اپنی رائے کی بنیاد پر ختم کر دینے کے مترادف ہے۔ کیوں کہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا حکم قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ صرف ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے جس میں قرآن کریم کی آیت کا بھی ذکر ہے۔

اِذَا رَقَدَ اَحَدُکُمْ عَنِ الصَّلَاۃِ اَوْ غَفَلَ عَنْھَا فَلْیُصَلِّھَا اِذَا ذَکَرَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ: اَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِیْ (صحیح مسلم ص ۲۴۱ ج ۱، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص نماز سے سو جائے یا غفلت کی وجہ سے چھوڑ دے تو جب بھی اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اقم الصلاۃ لذکری"

اس آیت کی تفسیر میں امام نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

"اَللَّامُ لِلظَّرْفِ اَیْ اِذَا ذَکَرْتَنِیْ اَیْ اِذَا ذَکَرْتَ اَمْرِیْ بَعْدَ مَا نَسِیْتَ"

(فتح الملھم ج ۳، ص ۴۹۰ طبع جدید)

یعنی جب میرا حکم یاد آجائے تو نماز پڑھ لو۔ لہٰذا یہ آیت قضاء نمازوں کو بھی شامل ہے۔

اسی بناء پر تمام معروف فقہاء کرام اس مسئلہ پر متفق ہیں۔

ترجمہ اور مختصر تفسیر پڑھ کر اجتہاد کرنا

(۳)......قرآن کریم کا ترجمہ اور مختصر تفسیر پڑھا کر پڑھنے والوں کو قرآن کریم سے احکام خفیہ کے استنباط کی دعوت دینا: حدیث کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب کا یہ نقطۂ نظر و طرزِ عمل انتہائی گمراہ کن ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (رواہ الترمذی، المشکوۃ ص ۳۵)

ترجمہ: جس شخص نے قرآن کریم میں بغیر علم کے کوئی بات کہی اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "علم" کی تشریح اس طرح فرمائی ہے:

اَیْ دَلِیْلٌ یَقِیْنِیٌّ اَوْظَنِّیٌّ نَقْلِیٌّ اَوْعَقْلِیٌّ مُطَابِقٌ لِلشَّرْعِیِّ (المرقاۃ ج ۱ ص ۲۹۰)

حاصل اس کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں کچھ کہنے کی بنیاد کسی دلیل پر ہونی چاہئے دلیل چاہے نقلی ہو (قرآن کریم کی کوئی دوسری آیت، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ کرام وتابعین عظام) یا عقلی ہو مگر شرعی اصول کے مطابق ہو اور کسی دلیل نقلی کے معارض نہ ہو۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ مختصر تفسیر پڑھنے سے اس درجہ کے علم کا حصول ممکن نہیں۔ اگر سالہا سال لگانے کے بعد اس درجہ کا علم حاصل ہو جائے تو بھی غنیمت ہے۔

علماء و فقہاء سے بدگمانی پیدا کرنا

(۴)......علماء و فقہاء سے بدظن کرنا: دینی تعلیم کے جو ادارے اسلامی علوم کی وسیع و عمیق تعلیم کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ان کی اہمیت ذہنوں سے کم کر کے مختصر کورس کو علم دین کے لئے کافی سمجھنا، نیز جو مسائل کسی امام مجتہد نے قرآن و حدیث سے اپنے گہرے علم کی بنیاد پر مستنبط کئے ہیں ان کو باطل قرار دے کر اسے قرآن و حدیث کے خلاف قرار دینا اور اس پر اصرار کرنا، ڈاکٹر صاحبہ کی یہ روش بھی گمراہ کن اور فتنہ انگیز ہے۔

فقہاء کرام پر تنقید کی زد میں صحابہ کرام کو داخل کرنا

(۵)......ڈاکٹر صاحبہ بعض اوقات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی آراء پر اس انداز سے تنقید کر دیتی ہیں کہ اس کی زد میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آ جاتے ہیں۔ مثلاً ایام حیض میں قرآن کریم کی تلاوت کے متعلق ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں: ''کہاں اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے کہ ان دنوں میں قرآن نہ پڑھو، کہاں منع کیا ہے کہ تم اس کی تعلیم نہ دو؟ کہیں بھی نہیں منع کیا، جب منع نہیں کیا تو یہ لوگ کون ہوتے ہیں خود ساختہ پابندی ہم پر لگانے والے؟'' (روزنامہ......۷ ارمارچ ۲۰۰۱ء)

حالانکہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے دو مرفوع حدیثیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک موقوف حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

''وَهُوَ قَوْلُ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَالتَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِثْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَاَحْمَدَ وَاِسْحَاقَ قَالُوْا لَاتَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا اِلَّا طَرَفَ الْاٰيَةِ وَالْحَرْفِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ وَرَخَّصُوْا لِلْجُنُبِ وَالْحَائِضِ فِي التَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ (جامع ترمذی ص ۳۴ ج ۱، باب ماجاء فی الجنب والحائض انهما لایقراٰن القرآن)

یعنی اکثر اہل علم جن میں صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے علماء مثلاً سفیان ثوری، ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق شامل ہیں یہ سب فرماتے ہیں کہ حیض اور جنابت والے قرآن سے کچھ نہ پڑھیں الا یہ کہ آیت کا معمولی حصہ پڑھ لیں، البتہ ان اہل علم نے حیض و جنابت والوں کو تسبیح و تہلیل کی اجازت دی ہے۔

امام ترمذی کی عبارت مذکورہ پیش نظر رکھ کر ڈاکٹر صاحبہ کے اس جملہ کو غور سے ملاحظہ کریں ''یہ لوگ کون ہوتے ہیں خود ساختہ پابندی ہم پر لگانے والے؟''

ڈاکٹر صاحبہ مزید کہتی ہیں: ''تو یاد رکھیں دین میں خود ساختہ پابندیاں تقویٰ نہیں ہیں، دین کو اتنا ہی رہنے دیں جہاں تک وہ ہے، لہٰذا ان مشکلات سے باہر نکلیں۔ ہوا کیا عورت مسجد نہیں جا سکتی، عورت قرآن نہیں پڑھ سکتی...... یہ خود ساختہ پابندیاں ساری عورت ہی کے لئے کیوں؟'' (روزنامہ.........۷ ارمارچ ۲۰۰۱ء)

حالانکہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خواتین کو مسجد میں آنے سے روکا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حکم جاری فرمایا کہ اب نوجوان عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں (بدائع الصنائع ج ا ص ۱۵۷، ۱۵۸، شرایچ ایم سعید) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے روز کھڑے ہوکر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالتے (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۴۷ طبع بیروت)

ایک موقع پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواتین کو جمعہ کے دن مسجد سے نکالا اور فرمایا کہ اپنے گھروں کو جاؤ، تمہارے گھر تمہارے لئے بہتر ہیں (الترغیب والترہیب ص ۱۹۰ ج ۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ یہ حالت دیکھتے جو عورتوں میں اب پیدا ہوگئی ہے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں (صحیح بخاری ص ۱۲۰ ج ا صحیح مسلم ص ۱۸۳ ج ۱)۔ [1]

لہٰذا تفصیل مذکور کی بناء پر ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی کے درس میں شریک ہونا، ان کے درس کو پڑھنا اور ان کے زیر اہتمام قائم شدہ ادارہ ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' میں تعلیم حاصل کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ حتی الوسع دوسروں کو بھی اس سے بچانا فرض ہے۔ وَاللّٰہُ الْعَاصِمُ مِنْ جَمِیْعِ الْفِتَنِ (ماخوذ از ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کراچی۔ شمارہ ۱۶، ۲۸ محرم تا ۴ صفر ۱۴۲۳ھ ۱۲ تا ۱۸ اپریل ۲۰۰۲ء)

---

[1] آپ ﷺ نے اپنے دور میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی صرف اجازت دی تھی مگر ترغیب اسی بات کی تھی کہ عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور یہ اجازت بھی اس وجہ سے تھی کہ رسالت کے دور میں شریعت کے نئے نئے احکام نازل ہوتے رہتے تھے اس لئے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی ضرورت تھی کہ وہ مسجد نبوی میں آکر نبی کی تعلیمات اور نئے احکام سے باخبر ہوں۔ اب جبکہ دین رسالت مکمل شکل میں امت کے پاس موجود ہے اور دوسرے طریقوں سے اس کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ یہ ضرورت باقی نہیں رہی نیز یہ ''خیر القرون'' کے دور کی بات ہے، جس میں فتنہ کا امکان بہت دور تھا اور اس میں بھی کئی شرائط تھیں مثلاً بن سنور کر، خوشبو لگا کر یا زیور وغیرہ پہن کر نہ آئیں اور مردوں کے اٹھنے سے پہلے عورتیں اٹھ کر چلی جائیں وغیرہ وغیرہ اس وقت بھی عورتوں کے مسجد آنے کا حکم نہیں تھا باوجودیکہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب ستائیس درجہ اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار درجہ زیادہ ہے اور حضور ﷺ کی امامت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں شمولیت کی برکت اور سعادت کے عظیم فضائل کو حاصل کرنے کا اس سے بہتر موقع کب اور کس کو میسر آسکتا تھا، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس وقت بھی خواتین کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ جب مسجد نبوی کی باجماعت نماز، حضور ﷺ کی اقتداء، اور خیر القرون کے دور میں بھی گھر میں نماز پڑھنے کی فضیلت خواتین کے لئے زیادہ تھی تو آج کے دور میں جبکہ اب نہ خیر القرون کا دور ہے، نہ حضور ﷺ کی اقتداء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کے ساتھ شامل ہو کر باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت میسر ہے اور نہ ہی خواتین وحضرات میں وہ تقویٰ موجود ہے تو اس دور میں خواتین کو مساجد میں آنے کی ترغیب واجازت کیسے دی جاسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (جن کے دل ودماغ نبوت کے مزاج اور سنت کے رنگ میں ڈھلے ہوئے تھے) اپنے دور میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ نمازوں میں شریک ہونے سے منع فرمادیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول وفعل بھی حجت ہے بلکہ حضور ﷺ کے قول وفعل کا ہی ایک طرح سے ترجمان ہے۔ (مزید تفصیل ص ۱۱۵ پر)

الہدیٰ انٹرنیشنل کے متعلق چند سوالات وجوابات

از دارالافتاء "جامعہ فاروقیہ" شاہ فیصل کالونی نمبر ۴، کراچی

آج کے دور کا سب سے خطرناک فتنہ یہ ہے کہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اس میں اجتہاد اور وسعت فکر کے نام سے جدیدیت اور اباحیت کی پیوندکاری کی جائے اور یوں مسلمانوں کو بے دین سے محروم کر کے ان کی دنیا وآخرت تباہ کردی جائے۔ جدید طریقوں سے دین اسلام کی تبلیغ کا پُرفریب نام اپنا کر ہمارے ملک میں بہت سے ایسے ادارے ان ہی خطوط پر کام کر رہے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا، ان کا میدان عمل زیادہ تر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور بڑے گھرانوں کی خواتین ہیں "الہدیٰ انٹرنیشنل" بھی اسی قسم کا ایک ادارہ ہے جو اسلام آباد کی ہائی سوسائٹی میں متذکرہ بالا خلاف اسلام سرگرمیاں، اشاعت اسلام کے نام سے سرانجام دے رہا ہے، ہمیں اس سے متعلق چند سوالات موصول ہوئے تھے جن کا جواب قارئین کی نذر کیا جارہا ہے

الہدیٰ انٹرنیشنل ویلفیئر فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) اسلام آباد کے تحت قائم انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن برائے خواتین کے بارے میں چند سوالات کا جواب درکار ہے۔ الہدیٰ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن برائے خواتین ایک سالہ دورانیہ پر مشتمل "ڈپلومہ ان اسلامک ایجوکیشن" کراتا ہے۔ اس کورس میں کچھ مسائل سننے کو ملے، شرعی نقطۂ نظر سے ان کی وضاحت مطلوب ہے۔

مرد وعورت کی نماز میں فرق

سوال: مرد اور عورتوں کی نماز کا طریقہ ایک ہی ہے جس کی توضیح میں یہ حدیث بیان کی گئی "نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو" اس حدیث کی شرح یوں کی گئی ہے کہ اس میں مرد یا عورت کی تخصیص نہیں ہے، لہٰذا مرد وعورت کی نماز کا طریقہ ایک ہی ہے۔ [1]

---

[1] یہ اجماع امت کے خلاف ہے اور عورتوں کی نماز کا طریقہ بالکل مردوں کی طرح ہونا کسی بھی حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں بلکہ خواتین کا طریقۂ نماز مردوں کے طریقے سے جدا ہونا بہت سی احادیث اور آثار صحابہ وتابعین سے ثابت ہے اور چاروں ائمہ فقہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی نماز کے طریقے میں اختلاف پر اجماع ہے اور اس اختلاف کو کسی درجہ میں خود وہ لوگ بھی مانتے ہیں جو مرد وعورت کی نماز کے طریقے کے ایک ہونے کے مدعی ہیں مثلاً (۱) ان کی مساجد میں مرد تو امام اور خطیب ہیں

(بقیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

جواب: مرد، عورت کی نماز میں تفریق (فرق) آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت یزید بن ابی حبیب رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے: رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے ان سے فرمایا، جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو، کیونکہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں (مجمع الزوائد ص ۱۰۳ ج ۲ والسنن للبیہقی ص ۲۲۳ ج ۲ اعلاء السنن بحوالہ مراسیل ابی داؤد ص ۱۹ ج ۳)

کنز العمال (جلد ۴ ص ۱۱۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۲ھ) میں بیہقی اور ابن عدی کے حوالے سے بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ ترجمہ: عورت جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ رانوں سے چپکا لے ایسے طور پر کہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ پردے کا موجب ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیکن کسی مسجد میں عورت نہ امام ہے نہ خطیب (۲) ان کی مساجد میں مؤذن ہمیشہ مرد ہوتا ہے عورت کو کبھی مؤذن نہیں بناتے (۳) نماز باجماعت کی اقامت ہمیشہ مرد کہتے ہیں عورت سے اقامت نہیں کہلواتے (۴) ان کے اکثر مرد ننگے سر نماز پڑھتے ہیں مگر عورتیں نماز کے وقت دوپٹہ نہیں اتار پھینکتیں (۵) ان کے مردوں کی اکثر کہنیاں اور نصف پنڈلیاں نماز میں ننگی رہتی ہیں لیکن ان کی عورتیں اس طرح نماز نہیں پڑھتیں (۶) مرد اور عورت کے ستر عورت میں بھی فرق ہے (۷) نماز جمعہ مرد پر فرض ہے عورت پر فرض نہیں۔ اسی طرح نماز پنج گانہ کا باجماعت ادا کرنا مردوں پر لازم ہے نہ کہ عورتوں پر (۸) نماز میں کوئی بات پیش آئے تو مرد تسبیح کہے اور عورت ہاتھ سے کھٹکا کرے۔ ظاہر ہے کہ ان سب مسائل میں سنتوں بلکہ فرائض تک کے مقابلہ میں عورت کے ستر اور پردہ کو خاص اہمیت دی گئی ہے اسی لئے ائمہ اربعہ نے رکوع، سجود اور قعدے وغیرہ کی ہیئت میں بھی مرد اور عورت کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے اور اس میں اصل علت اسی ستر پوشی کو قرار دیا ہے (مجموعہ رسائل ج ۱ ص ۲۸۰، ۲۸۱، جدید ایڈیشن)

یاد رہے کہ اس حدیث کو ابو داؤد اور امام بیہقی نے مختلف طریقوں پر روایت کیا ہے اور یہ روایت بلاشبہ قابل حجت اور قابل استدلال ہے۔ قلت كلام الحافظ يدل على ان المرسل ليس فيه احد متروك وفي فوز الكرام للعلامة محمد قائم السندي، قال البيهقي: هو احسن من موصولين في هذا الباب اه. كذا في "مجموعة الفتاوى" للعلامة عبدالحي رحمه الله تعالى (۱: ۲۱۶) (اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۶ و ۲۷) قوله "عن يزيد بن ابي حبيب الخ" قلت دلالته على هيئة سجود المرأة ظاهرة، قال في عون الباري: فمن يرى المرسل حجة وهو مذهب ابي حنيفة ومالك في طائفة والامام الاحمد في المشهور عنه فحجتهم المرسل المذكور ومن لايرى المرسل حجة كالشافعي وجمهور المحدثين فباعتضاد كل من الموصول والمرسل بالآخر وحصول القوة من الصورة المجموعة قال في فتح الباري وهذا مثال لما ذكره الشافعي من ان المرسل يعتضد بمرسل آخر او مسند اه وقال النووي الحديث الضعيف عند تعدد الطرق يرتقي عن الضعف الى الحسن، ويصير مقبولاً معمولاً به قال الحافظ السخاوي: ولا يقتضي ذالك الاحتجاج بالضعيف فان الاحتجاج انما هو بالهيئة المجموعة كالمرسل حيث اعتضد بمرسل آخر ولو ضعيفا كما قاله الشافعي والجمهور اه (۲: ۱۵۹ مع النيل) (اعلاء السنن في شرح المشكوٰة ج ۳ ص ۲۶)

آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات سے جہاں عورت کے سجدے کا مسنون طریقہ معلوم ہوا کہ اسے بالکل سمٹ کر اور زمین سے چپک کر سجدہ کرنا چاہئے۔ وہاں دو اہم ترین اصول یہ بھی معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز کے تمام احکام اول سے آخر تک مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں نہیں بلکہ بعض احکام مردوں کے لئے الگ ہیں اور عورتوں کے لئے ان سے مختلف، ہر صنف کو ان احکام کی پابندی لازم ہے جو اس سے متعلق ہوں۔ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت کی اجازت نہیں۔ دوسرا اہم اصول یہ معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے نماز کی وہ ہیئت مسنون ہے جس میں زیادہ سے زیادہ ستر ہو۔ چونکہ مرد عورت کی نماز میں تفریق کا حکم آنحضرت ﷺ نے خود فرما کر اس کے لئے ایک اصولی قاعدہ ارشاد فرمایا اس لئے امت کا تعامل و توارث اسی کے مطابق چلا آتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

جب عورت سجدہ کرے تو اسے چاہئے کہ اپنی رانوں کو ملالیا کرے (کنز العمال ج ۴ ص ۲۲۳)

حضرات فقہا جب عورتوں کے ان مسائل کو جن کی طرف سوال میں اشارہ کیا گیا ہے ذکر کرتے ہیں تو اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں جو اوپر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ عورت کے سجدے کی کیفیت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور عورت اپنے سجدے میں سمٹ جائے۔ اور اپنا پیٹ اپنی رانوں سے ملالے کیوں کہ یہ اس کے لئے زیادہ پردے کی چیز ہے۔

یہ قریب قریب وہی الفاظ ہیں جو اوپر حدیث میں منقول ہوئے ہیں۔ اسی طرح قعدہ کی ہیئت دو طرح کی مروی ہے۔ ایک ''تورک'' یعنی دونوں پیر دائیں طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنا۔ چنانچہ سابقہ اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہا نے عورتوں کے لئے ''تورک'' کو افضل قرار دیا کہ اس میں ستر زیادہ ہے، اور قعدہ کی دوسری ہیئت جو مروی ہے وہ ''افتراش'' ہے یعنی دائیں پاؤں کو کھڑا کرنا اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا۔ مردوں کے لئے ''افتراش'' کو افضل کہا گیا، کیوں کہ یہ ان کے مناسب حال ہے چنانچہ قعدہ کی ہیئت کو ذکر کرتے ہوئے صاحب ہدایہ رقم طراز ہیں۔

''اگر عورت ہو تو اپنے سرین پر بیٹھ جائے اور پاؤں دائیں جانب نکال لے

کیوں کہ اس کے لئے زیادہ پردے کی چیز ہے"۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد فرمودہ اصول کی رعایت صرف فقہائے احناف ہی نے نہیں کی بلکہ قریب قریب تمام ائمہ اور فقہائے امت نے اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے جیسا کہ ان کی کتب فقہیہ سے واضح ہے۔ [1]

---

[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ خواتین حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے چار زانو بیٹھتی تھیں پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر نماز ادا کریں (جامع المسانید صفحہ ۴۰۰ جلد ۱) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے نماز کا طریقہ سکھلایا تو فرمایا کہ اے وائل بن حجر! جب تم نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے (طبرانی، مجمع الزوائد، کنز العمال) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کے دوران جب عورت بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملالے جو زیادہ ستر کی حالت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو میں نے اس عورت کی بخشش کر دی (کنز العمال ج ۷ ص ۵۴۹، بیہقی) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے (کہ اگر نماز کے دوران کوئی ایسا امر پیش آجائے جو نماز میں حارج ہو تو) مردوں کے لئے یہ ہے کہ وہ تسبیح کہیں اور عورتیں صرف تالی بجائیں (ترمذی صفحہ ۸۵، مسلم شریف صفحہ ۱۸۱ جلد ۱) امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمہ اللہ سے سنا کہ ان سے عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ نماز میں ہاتھ کیسے اٹھائے تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی چھاتیوں تک، اور فرمایا کہ وہ نماز میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح نہ اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں اور انہوں نے اس بات کو جب اشارہ سے بتلایا تو اپنے ہاتھوں کو کافی پست کیا اور ان دونوں کو اچھی طرح ملایا اور فرمایا کہ نماز میں عورت کا طریقہ مردوں کی طرح نہیں ہے (المصنف لابی بکر بن ابی شیبۃ صفحہ ۲۳۹ جلد ۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر کرے اور اپنی دونوں رانوں کو ملالے (بیہقی ص ۲۲۳ ج ۲، ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ اکٹھی ہو کر اور خوب سمٹ کر نماز پڑھے (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۲) مذکورہ بالا احادیث طیبہ، آثار صحابہ و تابعین اور چاروں فقہ کے فقہاء کرام کی عبارات سے جو عورتوں کی نماز کا مسنون طریقہ ثابت ہے وہ مردوں کے طریقہ نماز سے جدا ہے، عورتوں کے طریقہ نماز میں زیادہ سے زیادہ پردہ اور جسم سمیٹ کر ایک دوسرے سے ملانے کا حکم ہے۔ اور یہ طریقہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک اس امت میں متفق علیہ اور عملاً متواتر ہے۔ آج تک کسی صحابی یا تابعی یا دیگر فقہاء امت کا کوئی ایسا فتویٰ نظر نہیں آیا جس میں عورتوں کی نماز کو مردوں کی نماز کے مطابق قرار دیا ہو۔ نیز خود اہل حدیث حضرات کے اکابرین نے اس مسئلہ میں مذکورہ بالا احادیث کے مطابق فتویٰ دیا ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ غزنویہ صفحہ ۲۷، ۲۸، فتاویٰ علمائے حدیث صفحہ ۱۴۰۹ جلد ۳)............ بعض حضرات عورت مرد کی نماز کے ایک جیسی ہونے پر اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں جس میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ ہیں "صلوا کمارأیتمونی اصلی" (بخاری) یعنی تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو (بخاری) کہ عورتوں کی نماز مردوں کے مطابق ہے تو یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ اول تو اس جملہ کا سیاق و سباق ایک خاص واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک خاص وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیس دن قیام کے لئے آیا تھا، واپسی پر آپ (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

فوت شدہ نمازوں کی قضاء

سوال: فوت شدہ نمازوں کی قضا سنت سے ثابت نہیں، اس کی توجیہ یہ بیان کی گئی کہ کافر جب مسلمان ہوتا ہے تو حالت کفر کی نمازوں کی قضا واجب نہیں۔ نیز یہ کہ حالت حیض میں جو نمازیں چھوٹ جاتی ہیں ان کی بھی قضا کا حکم نہیں لیکن ان ہی ایام میں فرض روزے اگر چھوٹ جائیں تو قضا واجب ہے۔

جواب: فوت شدہ نمازوں کی قضا ضروری ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی کچھ نمازیں فوت ہوگئی تھیں۔ جنہیں آپ نے بعد میں قضا فرمایا (دیکھیے ترمذی ص ۴۳، ج ۱، بخاری ج ۱ ص ۸۳،۸۴، نسائی ص ۱۰۲ وغیرہ) صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص (وقت کے اندر) نماز ادا کرنا بھول جائے اسے چاہئے کہ (بعد میں) یاد آنے پر اس کو (ضرور) پڑھے (مسلم ج ۱ ص ۲۳۸) اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا فوت شدہ نماز کی ادائیگی کا حکم فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ بعد میں اس کی قضا واجب اور ضروری ہے خواہ وہ نماز عذر کی وجہ سے فوت ہوئی یا بغیر عذر کے، کیونکہ جب آپ ﷺ نے عذر کی بنا پر فوت شدہ نماز کی ادائیگی کا تاکیدی حکم فرمادیا تو بغیر کسی عذر کے چھوڑ دی جانے والی نماز کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہوگا۔ آخر میں امام نووی رحمہ اللہ نے ان لوگوں پر نہایت سختی کے ساتھ رد کیا ہے جن کا کہنا ہے کہ بغیر کسی عذر کے فوت شدہ نماز کی قضا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نے ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ "صلوا کما رأیتمونی اصلی" لہٰذا اگر اس جملہ کو سیاق و سباق سے ہٹ کر دیکھیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کی عمومیت میں مرد و عورت سمیت پوری امت شریک ہے اور پوری امت پر لازم ہے کہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ کی نماز کا ہے وہی طریقہ پوری امت کا ہو، لیکن یہ واضح ہو کہ اس عمومیت پر عمل اس وقت تک ہی ضروری ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے مقابلہ میں نہ ہو، اور اگر اس کو خاص کرنے کی کوئی دلیل بعض عمل یا افراد میں اس حکم کے مخالف ہو تو اس دلیل خاص کی وجہ سے وہ بعض افراد یا وہ عمل اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ چنانچہ کمزور اور مریض ان احادیث سے جن میں ان کے لئے حکم میں تخفیف کی گئی ہے اور عورتیں ان تمام احادیث سے جن میں ان کے لئے ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ لہٰذا استثنیات کی موجودگی میں اس جملہ سے عورت اور مرد کی نماز میں مجموعی کیفیت اور طریقہ پر مطابقت کا استدلال درست نہیں (تفصیل اور مزید دلائل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "خواتین کا طریقہ نماز" از مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم)

ضروری نہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کا یہ قول غلطی اور جہالت پر مبنی ہے (شرح مسلم للنووی رحمہ اللہ حوالہ بالا) بہرحال فقہ کے چاروں اماموں کے نزدیک فوت شدہ نماز کی قضا ہر حال میں ضروری ہے، اس کے خلاف کہنے والے بلاشبہ گمراہ اور دین سے بے بہرہ ہیں۔ [1]

قضا نمازوں کو حالت حیض میں چھوڑی گئی نمازوں پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ حیض ایک دائمی عذر ہے اگر ان ایام میں چھوڑی گئی نمازوں کی قضا کا حکم دے دیا جاتا تو حرج عظیم لازم آتا جبکہ روزوں کی قضا اس وجہ سے ضروری ہے کہ وہ سال میں صرف ایک مہینے رکھے جاتے ہیں اور ان کی قضا میں حرج نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمیں ناپاکی کے ایام کی نمازوں کی قضا کا حکم نہ دیا جاتا جبکہ ان دنوں کے روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا (رواہ الجماعۃ عن معاذۃ) لہٰذا عام اعذار جو کبھی کبھی پیش آتے ہیں ان کو ایام حیض پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح قضائے عمری کو حالت کفر پر قیاس کرنا بھی محض جہالت ہے۔ کیونکہ کافر تو شریعت کی پابندی کا مکلف ہی نہیں ہے۔ البتہ جن کے نزدیک جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا مسلمان ہی نہیں رہتا ان کے ہاں گزشتہ نمازوں کی قضا بھی نہیں۔ ان کے قول کے مطابق وہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرے۔ اگر ڈاکٹر صاحبہ بھی ان ہی کی ہم خیال ہیں تو وہ اس پر عمل کریں۔ لیکن جمہور علمائے امت نے اس قول کو صحیح قرار نہیں دیا ہے۔ جس کے دلائل اپنے مقام پر موجود ہیں۔ [2]

---

[1] علامہ محمد بن عبدالرحمٰن شافعی فرماتے ہیں۔ و اتفقوا علی وجوب قضاء الفوائت (رحمۃ الامہ ص ۳۶) کہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے واجب ہونے پر اتفاق ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی الہدیٰ والوں کی امت سے ہٹ کر ایک نئی راہ اختیار کرتا ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

[2] علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب "المغنی" میں تفصیلی دلائل کے ساتھ ثابت فرمایا کہ تارک صلاۃ کافر نہیں، چنانچہ متعدد احادیث سے استدلال کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ولان ذالک اجماع المسلمین فانا لا نعلم فی عصر من الاعصار احدا من تارکی الصلاۃ ترک تغسیلہ والصلاۃ علیہ ودفنہ فی مقابر المسلمین ولا منع ورثتہ میراثہ ولا منع ھو میراث مورثہ، ولا فرق بین زوجین لترک الصلاۃ مع احدھما لکثرۃ تارکی الصلاۃ، ولو کان کافرا لثبت ھذہ الاحکام کلھا ولا نعلم بین المسلمین خلافا فی ان تارک الصلاۃ یجب علیہ قضاؤھا، ولو کان مرتدا لم یجب علیہ قضاء صلاۃ ولا صیام. وأما الاحادیث المتقدمۃ فھی علی سبیل التغلیظ والتشبیہ لہ بالکفار ولا علی الحقیقۃ کقولہ علیہ السلام "سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر" الخ (المغنی ج ۲ ص ۳۰۱) ترجمہ: اور (نماز چھوڑنے والا) (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

عورت کی امامت کا مسئلہ

سوال: ''عورت امامت کر سکتی ہے'' بروایت حاکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے امامت کرائی

جواب: عورت کی جماعت مکروہ ہے۔ تاہم اگر چند عورتوں نے مل کر جماعت کر لی تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ باقی جن صحابیات کے طرز عمل سے عورتوں کی جماعت پر استدلال کیا گیا ہے ان کے بارے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ ان کا ایسا کرنا یا تو عورتوں کو تعلیم دینے کی غرض سے تھا یا نفس اباحت یا بیان جواز کے لئے تھا۔ مستقل معمول نہ تھا۔ پھر اس قسم کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس لئے بھی (کافر نہیں) کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق کسی زمانے میں بھی نماز چھوڑنے والے کے فوت ہونے پر اس کو غسل دینا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا، اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ترک نہیں کیا گیا، اور نہ ہی اس کے وارثوں کو اس کی میراث سے محروم کیا گیا، اور نہ ہی خود اس کو اس کے مورث کی میراث سے محروم کیا گیا، اور نہ ہی میاں بیوی میں سے کسی ایک کے نماز چھوڑنے کی وجہ سے دونوں میں علیحدگی کرائی گئی، باوجودیکہ نماز چھوڑنے والوں کی تعداد بکثرت پائی جاتی ہے، اور اگر نماز چھوڑنے والا کافر ہوتا تو پھر یہ تمام احکام بھی ثابت ہوتے، اور ہماری معلومات کے مطابق مسلمانوں کے درمیان اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ نماز چھوڑنے والے پر (چھوٹی ہوئی) نماز کی قضاء واجب ہے (یعنی قضاء شدہ نماز کے ادا کرنے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے) اور اگر (نماز چھوڑنے والا) مرتد شمار ہوتا تو اس پر نماز، روزے کی قضاء واجب نہ ہوتی۔ رہی وہ احادیث جو پیچھے گزر چکیں (جن سے نماز چھوڑنے والے کا کافر ہونا بظاہر معلوم ہوتا ہے) تو وہ دراصل نماز چھوڑنے کے گناہ کی سختی بیان کرنے اور (نماز چھوڑنے کے عمل کو) کافروں کے مشابہ بتلانے کے لئے ہیں نہ کہ حقیقت میں کافر بتلانے کے لئے (اور اس کی بے شمار مثالیں احادیث میں موجود ہیں) جیسا کہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے'' اور اس قسم کی دوسری احادیث جن میں کسی مسلمان کے کوئی گناہ کرنے پر اس کے لئے کفر وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جس طرح ان احادیث میں حقیقی کفر مراد نہیں بلکہ ان گناہوں کی سخت وعید بیان کرنا مراد ہے اسی طرح نماز چھوڑنے کا عمل بھی ہے۔ (المغنی مع الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۰۱ تا ۳۰۲، مطبوعہ دار الباز، مکۃ المکرمہ) لہٰذا جو لوگ آج کل نماز چھوڑنے والے کو واضح طور پر کھلا کافر قرار دے رہے ہیں ان کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر صرف نماز کی معافی کی حد تک محدود رہنے سے کام نہیں چلتا بلکہ ایسے شخص کا تو اس حال میں بغیر تجدید ایمان کے روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، بلکہ نماز پڑھنا بھی صحیح نہیں ہونا چاہیے اور ایسے شخص کو ایمان لانے کے بعد نکاح کی تجدید بھی کرنی چاہیے ورنہ ساری زندگی حرام کاری میں گزرنے اور اولاد کے بھی حرامی پیدا ہونے کا مسئلہ کھڑا ہوگا، اس کے علاوہ ایسے شخص کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہونا چاہیے، اور میراث وغیرہ کے احکام بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ غرضیکہ اگر نماز چھوڑنے کو کفر قرار دیا جائے تو پھر اس پر کفر وارتداد کے تمام احکام جاری کرنے چاہئیں بلکہ کفر سے بڑھ کر مرتد ہونے کے احکام جاری ہونا چاہئیں کیونکہ اسلام کے بعد کفر کی طرف جانا صرف خالی کفر ہی نہیں بلکہ ارتداد ہے اور ارتداد کا حکم خالی کفر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ پھر معلوم ہوگا کہ یہ فتویٰ آج کے دور میں کس حد تک چلتا ہے اور خود یہ فتویٰ عائد کرنے والے کہاں تک اپنے اس فتویٰ پر خود عمل کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے قابل عمل قرار دیتے ہیں۔ م۔ ر۔

روایات ابتدائے اسلام سے متعلق ہیں جو کہ بعد میں منسوخ ہوگئیں (دیکھیے اعلاء السنن ص ۲۱۵ ج ۳ بدائع الصنائع ص ۱۵۷ ج ۱) احناف کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کی جماعت میں خیر نہیں ہے (رواہ احمد والطبرانی وقد حسن لہ الترمذی کذا فی اعلاء السنن: ۳، ۲۱۴) (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۵ قلت وجہ دلالتہ علی معنی الباب (ای کراھۃ جماعۃ النساء) انہ ﷺ قد نفی الخیریۃ عن جماعۃ النساء الخ: اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۱۴) (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورت امامت نہ کرے" (المدونۃ للامام مالک رحمہ اللہ ج ۱، ص ۸۶) (قلت رجالہ کلھم ثقات..... فالسند صحیح (اعلاء السنن ج ٤ ص ۲۱۵) ؎۱

فائدہ: اس روایت میں عورت کو مطلق امامت کرنے سے منع کر دیا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ عورت کو امام بننے کی اجازت ہی نہیں ہے۔ نہ وہ مردوں کی امام بننے کے قابل ہے اور نہ ہی عورتوں کی امامت کر سکتی ہے (اعلاء السنن: ج ۴ ص ۲۱۵) ؎۲

؎۱ البتہ جزوی طور پر نبی ﷺ کے دور میں تین خواتین سے متعلق روایتوں میں مذکور ہے کہ انہوں نے عورتوں کی امامت کرائی تھی، جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ورقہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں مگر یہ صرف جزوی واقعات ہیں اور صحابیات رضی اللہ عنھن کے عام معمول سے ہٹے ہوئے ہیں اور زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر عورت عورتوں کی امامت انجام دے تو اس سے نماز ادا ہو جائے گی اس کے علاوہ ابتداء اسلام اور حضور ﷺ کے دور میں عورتوں کو دینی تعلیم اور نماز کا طریقہ سکھانے کی ضرورت تھی اس ضرورت کے پیش نظر مذکورہ صحابیات رضی اللہ عنھن نے عورتوں کو امامت کرائی تھی (بعد میں یہ حکم برقرار نہیں رہا تھا) اور پھر ایسی بے شمار روایات ہیں جن میں خواتین کے لئے تنہا، گھر میں نماز افضل اور بہتر قرار دیا گیا ہے (بعض روایات آگے آرہی ہیں) اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی جماعت کو پسند نہیں فرمایا ان سب روایات سے ایک عمومی حکم ثابت ہوتا ہے کہ تنہا، عورتوں کی جماعت وامامت مکروہ ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۲۲ تا ۲۲۵

؎۲ چنانچہ خیر القرون میں بھی عورتوں کی اجتماعی نمازوں کے اہتمام کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، البتہ جزوی طور پر نبی ﷺ کے دور میں تین خواتین سے متعلق روایتوں میں مذکور ہے کہ انہوں نے عورتوں کی امامت کرائی تھی، جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ورقہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں مگر یہ صرف جزوی واقعات ہیں اور صحابیات رضی اللہ عنھن کے عام معمول سے ہٹے ہوئے ہیں اور زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر عورت عورتوں کی امامت انجام دے تو اس سے نماز ادا ہو جائے گی اس کے علاوہ ابتداء اسلام اور حضور ﷺ کے دور میں عورتوں کو دینی تعلیم اور نماز کا طریقہ سکھانے کی ضرورت تھی اس ضرورت کے پیش نظر مذکورہ صحابیات رضی اللہ عنھن نے عورتوں کو امامت کرائی تھی (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

عورت کی آواز کا پردہ

سوال: عورت کی آواز کا پردہ نہیں، توجیہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسائل پوچھنے آتے تھے پردے میں۔ اب اگر آواز کا پردہ ہے تو کیا اس وقت کے دین میں اور اب کے دین میں کوئی فرق ہے یا تبدیلی آگئی ہے؟

جواب: عورت کی آواز کا پردہ ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ بلا ضرورت غیر محرم کو اپنی آواز نہ سنائے اور اگر کسی غیر محرم سے (پس پردہ) بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کلام میں اس نزاکت اور لطافت کے لہجے سے بتکلف پرہیز کیا جائے جو فطرتاً عورتوں کی آواز میں ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

(ترجمہ) تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگے جس کے قلب میں خرابی ہے۔ اور قاعدے کے موافق بات کہو (الاحزاب ۳۲)

حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جیسے عورتوں کے کلام کا فطری انداز ہوتا ہے کہ کلام میں نرمی اور نزاکت طبعی ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر جب کہ بضرورت نامحرم مرد سے بولنا پڑے تو تکلف اور اہتمام سے اس فطری انداز کو بدل کر گفتگو کی جائے یعنی ایسے انداز سے جس میں خشکی اور روکھا پن ہو کہ یہ حافظِ عفت ہے۔ اور یہ بداخلاقی نہیں ہے۔ بداخلاقی وہ ہے جس سے کسی کے قلب کو ایذا پہنچے، اور طمع فاسد کو روکنے سے ایذا لازم نہیں آتی (خلاصہ تفسیر للتھانوی از معارف القرآن ص ۱۳۵، ج ۷)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلام کے متعلق جو ہدایت دی گئی ہے اس کو سننے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (بعد میں یہ حکم برقرار نہیں رہا تھا) اور پھر ایسی بے شمار روایات ہیں جن میں خواتین کو اپنے اپنے گھروں میں تنہا نماز پڑھنے کو افضل اور بہتر قرار دیا گیا ہے اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی جماعت کو پسند نہیں فرمایا، جیسا کہ اوپر روایت میں مذکور ہے۔ ان سب روایات سے ایک عمومی حکم ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی امامت مکروہ ہے۔

ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو فی التراویح (درمختار) وفی الشامیہ۔ افاد ان الکراھۃ فی کل ماتشرع فیہ جماعۃ الرجال فرضاً او نفلاً (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۲۸) ویکرہ امامۃ المراۃ للنساء فی الصلوات کلھا من الفرائض والنوافل الا فی صلوۃ الجنازۃ ھکذا فی النھایۃ (ھندیہ ج ۱ ص ۸۵)

بعد بعض امہات المومنین اس آیت کے نزول کے بعد اگر غیر مرد سے کلام کرتیں تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتیں تاکہ آواز بدل جائے۔ اسی لئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔

''نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر (بلا ضرورت اجنبی سے) بات چیت کرنے سے منع کر دیا'' (رواہ الطبرانی سید حسن تفسیر مظہری)

بہر حال اس آیت میں عورت کے پردہ سے متعلق آواز اور کلام پر احتیاطی پابندی لگا دی گئی ہے اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد ہیں امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے، مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کے بجائے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجا دیں جس سے امام متنبہ ہو جائے، زبان سے کچھ نہ کہیں۔ حاصل یہ کہ عورت کے لئے حکم یہ ہے کہ نامحرموں کے سامنے بوقت ضرورت پردے کے ساتھ گفتگو جائز ہے مگر لب ولہجہ میں سختی و درشتی ہونی چاہئے۔ جس سے دوسرے آدمی کو عورت کی طرف کشش پیدا نہ ہو۔ نہ بلا پردہ کلام کرنے کی اجازت ہے نہ بلا ضرورت۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ازواج مطہرات کی گفتگو بقدر ضرورت دینی مسائل پوچھنے کی حد تک تھی اور وہ بھی پردہ کے پیچھے۔ قرآن کریم میں ہے ''فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ'' ترجمہ: ''ازواج مطہرات سے کچھ پوچھنا ہو تو پس پردہ پوچھو'' اس لئے پس پردہ پوچھتے تھے۔ پھر ''مسلمانوں کی ماں'' پر آج کی عورت کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدس معاشرے پر آج کے گندے معاشرے کو قیاس کرنا کتنی بدترین حماقت اور کم عقلی ہے۔ خلاصہ یہ کہ شریعت نہیں بدلی۔ اور نہ ہی آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو شریعت کے بدلنے کا اختیار ہے لیکن جن قیود و شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے اجازت دی۔ تو جب ان شرائط اور قیود کو ملحوظ نہیں رکھا جائیگا تو اجازت بھی باقی نہیں رہے گی۔

لاپتہ شوہر کی بیوی کا حکم

سوال: حنفی مسلک میں ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند گم ہو جائے تو عورت کو چاہئے کہ ننانوے سال انتظار کرے، جب ننانوے سال گزر جائیں تو پھر چار مہینے کی عدت پوری کرے،

جبکہ ایک اور مسلک میں یہ مدت صرف چند (۲ یا ۳ کم وبیش) سال ہے۔ لوگوں نے خواہ مخواہ دین کو مشکل بنایا ہوا ہے، جب کہ ہم جس مسلک کے مسئلے پر چاہیں عمل کرلیں، کوئی حرج نہیں۔

جواب: یہ بات بھی احناف کے مسلک سے بے خبری کی بنا پر کہی گئی ہے۔ زوجہ مفقود (جس کا شوہر لاپتہ ہو جائے) کے بارے میں حنفیہ کا مسلک از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے۔ تاہم فقہائے حنفیہ میں سے بعض متاخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلے میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر فتویٰ دے دیا ہے اور ایک عرصے سے ارباب فتویٰ اہل ہند و بیرون ہند تقریباً سب نے اسی قول پر متعلقہ شروط کی رعایت کے ساتھ فتویٰ دینا اختیار کرلیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہوگیا ہے (دیکھیے حیلہ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

عورت کا بلاضرورت گھر سے باہر نکلنا

سوال: کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ عورتوں کو بغیر کسی ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہئے، بھائی کہاں لکھا ہوا ہے؟ بلکہ صرف پردے کا حکم ہے، اگر عورت نے پردہ کیا ہوا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

جواب: یہ قرآن وحدیث ہی میں لکھا ہوا کہ عورت بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلے قرآن کریم میں ہے: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى (احزاب ۳۳)

ترجمہ: ''اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں۔ اور دکھلاتی نہ پھرو، جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں'' (ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت شریفہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے پردہ کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ اصل مطلوب عنداللہ عورتوں کے لئے یہ ہے کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لئے ہوئی ہے۔ ان میں مشغول رہیں۔ اور اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے وہ ''حجاب بالبیوت'' (گھروں میں رہنا) ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کبھی عورت کو گھر سے نکلنا ہی پڑے تو زینت کے اظہار کے ساتھ

نہ نکلے۔ بلکہ برقع یا جلباب (بڑی چادر) جس میں پورا بدن ڈھک جائے وہ پہن کر نکلے جیسا کہ آگے اسی سورہ احزاب میں اس کی تفصیل آئے گی۔ان شاء اللہ (دیکھئے معارف القرآن سورۂ اعراف)

(۱)......طبرانی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: یعنی عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ بجز اس کے کہ باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آجائے (رواہ الطبرانی، کذا فی الکنز ج ۸ ص ۲۶۳)

(۲)......جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت سراپا ستر ہے۔ پس جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے'' یعنی اس کو مسلمانوں میں برائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے۔ اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ ترجمہ ''عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو''

فائدہ: اس حدیث میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں باہر نہ نکلیں۔

(۳)......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: بتاؤ! عورت کے لئے سب سے بہتر کون سی چیز ہے ہمیں اس سوال کا جواب نہ سوجھا حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ان سے اسی سوال کا ذکر کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ لوگوں نے یہ جواب کیوں نہ دیا کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ اجنبی مردوں کو نہ دیکھیں اور نہ ان کو کوئی دیکھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واپس آکر یہ جواب آنحضرت ﷺ سے نقل کیا آپ نے فرمایا یہ جواب تمہیں کس نے دیا عرض کیا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا فاطمہ آخر میرے جگر کا ٹکڑا ہے نا (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۰، ۱۷۵ و مجمع الزوائد عن مسند البزار ص ۲۰۲، ج ۹)

(۴)......صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرمایا: ''تمہارے لئے اس کی اجازت ہے کہ اپنی ضرورت کے لئے گھر سے نکلو'' چنانچہ حجۃ الوداع میں جب ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ساتھ حج کرادیا (جو کہ ضرورت تھی) تو واپسی کے وقت فرمایا ''ھٰذہٖ ثم لزوم الحصر '' ھٰذہٖ کا اشارہ اس حج کی طرف ہے اور حصر حصیر کی جمع ہے جس کے معنی بوریا کے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ تمہارا نکلنا صرف اس کے

لئے ہو چکا اس کے بعد اپنے گھروں کے بوریوں کو لازم پکڑو ان سے نہ نکلو حضرت سودہ بنت زمعہ اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کا یہ مفہوم قرار دیا کہ تمہارا خروج صرف اسی حجۃ الوداع کے لئے جائز تھا آگے جائز نہیں باقی اور ازواج مطہرات جن میں صدیقہ عائشہ جیسی فقیہہ بھی داخل تھیں سب نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا کہ جس طرح کا یہ سفر تھا کہ ایک شرعی عبادت کی ادائیگی کے لئے ہو بس اسی طرح کا خروج جائز ہے ورنہ اپنے گھروں میں رہنا لازم ہے۔

عورت کے نام کے ساتھ والد کا نام یا شوہر کا نام؟

سوال: عورت کے نام کے ساتھ والد ہی کا نام چلتا ہے، نہ کہ خاوند کا؟

جواب: ہمارے عرف میں شادی کے بعد عورت کی پہچان چوں کہ شوہر سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ اور شوہر کا نام لگانے میں نسب کے التباس کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا نام استعمال کرنے میں حرج نہیں۔ اور جہاں والد کا نام ساتھ لگانے کا عرف ہو اور شوہر کا نام لگانے سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہو وہاں والد کا نام لگایا جائے۔

عورتوں کا اپنے گھروں میں نماز پڑھنا

سوال: عورتوں کو گھر پر نماز پڑھنا ٹھیک نہیں، اگر یہ صحیح ہوتا تو حضور علیہ السلام کبھی بھی عورتوں کو مسجد میں نماز کی اجازت نہ دیتے وغیرہ؟

جواب: امام طحاوی رحمہ اللہ جو حدیث اور فقہ کے مسلّم امام ہیں فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کا حکم ابتدائے اسلام میں دشمنان کی نظروں میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے دیا گیا تھا اور یہ علت اب باقی نہ رہی محدث کبیر علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ بخاری شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس علت کی وجہ سے بھی اجازت ان حالات میں تھی جبکہ امن کا دور دورہ تھا اب جبکہ دونوں علتیں ختم ہو چکی ہیں لہٰذا اجازت نہیں ہونی چاہئے (دیکھیے درس ترمذی ج ۲ ص ۳۲۱)

مسند احمد میں حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم کو میرے ساتھ نماز پڑھنا محبوب ہے، مگر تمہارا گھر کے کمرے میں نماز پڑھنا گھر کے صحن میں نماز

پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور گھر کے صحن میں نماز پڑھنا گھر کے احاطے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور احاطے میں نماز پڑھنا اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں (میرے ساتھ) نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے یہ ارشاد سن کر اپنے گھر کے لوگوں کو حکم دیا کہ گھر کے سب سے دور اور تاریک ترین کونے میں ان کے لئے نماز کی جگہ بنادی جائے چنانچہ انکی ہدایت کے مطابق جگہ بنادی گئی، وہ اسی جگہ نماز پڑھا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جاملیں (مسند احمد ص ۳۷۱، ج ۶، مجمع الزوائد ص ۳۴، ج ۲)

فائدہ: آنحضرت ﷺ کی دقیق نظر اور خواتین کی عزت و حرمت کا اندازہ کیجئے کہ مسجد نبوی جس میں ادا کی گئی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ آنحضرت ﷺ خواتین کے لئے اس کے بجائے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کو افضل اور بہتر فرماتے ہیں۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں جو نماز ادا کی جائے اس کا مقابلہ تو شاید ہی پوری امت کی نمازیں بھی کرسکیں لیکن آنحضرت ﷺ اپنی اقتدا میں نماز پڑھنے کے بجائے عورتوں کے لئے اپنے گھر پر تنہا نماز پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے شرم وحیا اور عفت و عظمت کا وہ بلند ترین مقام جو آنحضرت ﷺ نے خواتین اسلام کو عطا کیا تھا اور جو بدقسمتی سے چند آزاد خیال اور مغرب زدہ لوگوں کے ہاتھوں خطرے میں ڈالا جارہا ہے۔[1]

---

[1] یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان مبارک خیر القرون کے دور سے متعلق ہے اور اس ہستی کا فرمان ہے جس کے بارے میں خود حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ (بخاری ومسلم فی المناقب) کہ (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے، جس طرح ثرید (ایک قسم کا عربی کھانا) کو کھانوں کے دوسرے اقسام پر (بخاری ومسلم)

اور آج کے دور کی عورتوں اور مردوں کے ایجاد کردہ منکرات خیر القرون کے دور کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۶ ص ۱۵۸ باب خروج النساء الی المساجد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے روز کھڑے ہوکر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالا کرتے تھے (اور ظاہر ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوتا تھا) (عمدۃ القاری)

فقہ کی مشہور کتاب "بدائع الصنائع" میں ہے کہ: جوان عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا مباح نہیں، اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس لئے بھی کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے (بقیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت کا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا اپنے گھر کی چار دیواری میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اس کا پچھلے کمرے میں نماز پڑھنا اگلے کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے (ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۹۶) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے: ’’عورتوں نے جو نئی روش اختراع کر لی ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔‘‘ (بخاری ص ۱۲۰ ج ۱، مسلم ص ۱۸۳ ج ۱، موطا امام مالک ص ۱۸۲) حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد ان کے زمانے کی عورتوں کے بارے میں ہے اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے زمانے کی عورتوں کا کیا حال ہوگا؟

نامحرم عورتوں کا اجنبی مردوں سے پڑھنا

سوال: ان کے طریقۂ تعلیم میں یہ بھی ہے کہ دوران تعلیم مرد اساتذہ بھی پڑھاتے ہیں جبکہ طالبات نے صرف نقاب لیا ہوتا ہے۔ اور درمیان میں کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

جواب: شریعت نے اجنبی مرد و زن کے اختلاط پر پابندی لگائی ہے۔ نیز جس طرح مردوں کو حکم ہے کہ وہ اجنبی عورتوں کو نہ دیکھیں، اسی طرح عورت کو بھی حکم ہے کہ وہ اجنبی مرد کو نہ دیکھے حدیث میں ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے گھر آئے تو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو تو ازواج کہنے لگیں کہ یہ تو نابینا ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہ بھی حرام ہے (بدائع ج ۱ ص ۱۵۷) صحابہ کرام کے ایسے ارشادات کی روشنی میں بہت سے تابعین اور فقہائے امت نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے، مثلاً ابراہیم نخعی، یحییٰ الانصاری، سفیان ثوری، عبداللہ بن المبارک وغیرہم (المغنی لابن قدامہ ص ۶۷۳ ج ۲) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، البتہ بعض علماء نے چند شرائط کی قید لگا کر عورتوں کو مسجد میں فرض نماز پڑھنے کے لئے آنے کی اجازت دی ہے۔ ان شرائط کی رعایت کے بغیر کسی نے بھی اجازت نہیں دی بلکہ ممانعت فرمائی ہے اور آج کل عام طور پر ان شرائط کی پابندی نہیں ہوتی، اس لئے موجودہ حالات میں کسی کے نزدیک بھی عورتوں کا مسجد میں فرض نماز پڑھنے کے لئے آنا جائز نہیں ہوگا۔ اور جب فرض نمازوں کے متعلق یہ حکم ہے تو تراویح اور صلوٰۃ التسبیح کی نمازیں (جو کہ فرض نمازوں سے بہت کم درجہ رکھتی ہیں) پڑھنے کے لئے آنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے اور جب مسجد میں (جو کہ نماز کے لئے افضل ترین جگہ ہوتی ہے) آنے کی اجازت نہیں تو مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کے لئے جانے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۶، البحر الرائق ج ۱ ص ۳۵۸، فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۷، ہندیہ ج ۱ ص ۸۹)

ہمیں نہیں دیکھتے۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں ہو۔ کیا تم اسے نہیں دیکھ رہی ہو۔ چنانچہ وہ پردے میں چلی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ صورت مسؤلہ میں چونکہ شرعی حجاب کی شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا گیا لہٰذا ایسے ادارے میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

وحیدالدین خان کی کتابوں کا مطالعہ

سوال: (Words of the Prophet Muhammad) جو کہ مولانا وحیدالدین خان صاحب کی تصنیف ہے، اس کتابچے میں آپ ﷺ کے فرمودات کو جمع کیا گیا ہے، اس پر تبصرہ فرمائیں

جواب: اس کتاب میں اصلاح معاشرہ اور اخلاق و کردار کو سنوارنے سے متعلق صحیح احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ جس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ البتہ اگر کسی حدیث کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے تو کسی محقق عالم سے اس کا مطلب دریافت کرلیا جائے۔ خود اپنی طرف سے کوئی مطلب کشید نہ کریں۔[۱]

ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی کی کیسٹیں یا درس سننا

سوال: ڈاکٹر فرحت نسیم صاحبہ کی کیسٹیں پیش خدمت ہیں، سن کر اپنی رائے کا اظہار فرمائیں؟ واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحبہ ڈپلومہ کورس کی منتظمہ ہیں۔

جواب: ڈاکٹر صاحبہ کا درس مختلف مقامات سے سنا ان کے درس میں اصول تفسیر کے قواعد اور آداب کی رعایت نہیں کی گئی، نیز ان کا انداز بیان بھی انتہائی غیر محتاط ہے، درس میں صرف قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ساتھ تلاوت آیات کا اہتمام نہیں ہے، یہ طرز عمل انتہائی خطرناک، اور اصل قرآن سے اعراض اور اس میں تحریف کا سبب ہے، قرآن کریم حروف اور معانی دونوں کا مجموعہ ہے علماء نے قطعاً اس کی اجازت نہیں دی کہ قرآن پاک کا ترجمہ بغیر متن کے چھاپ دیا جائے یا بغیر تلاوت آیات کے صرف

---

۱ مسٹر وحیدالدین خان کے بہت سے عقائد ونظریات اہل سنت والجماعت سے مختلف اور گمراہانہ ہیں۔ اس لئے اس کی کتابوں کا مطالعہ خصوصاً عوام کے لئے نقصان دہ ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "وحیدالدین خان علماء اور دانشوروں کی نظر میں" مرتبہ: ڈاکٹر محسن عثمان ندوی۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔)

ترجمہ اور تفسیر پڑھانے اور بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے، ایسا عمل تحریف فی الدین اور اصل کے ضیاع کا مقدمہ اور سبب ہونے کی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے، کیونکہ جب قرآن کا محض ترجمہ شائع کیا جائے گا یا بیان کیا جائے گا تو ہر شخص بآسانی اپنے عقائد ونظریات کی روشنی میں جو چاہے گا اس میں ترمیم اور کمی بیشی کر سکے گا اور پڑھنے اور سننے والا یہی سمجھے گا کہ قرآن یہی ہے۔ حالانکہ وہ قرآن نہ ہوگا اور یوں تحریف کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو اصل قرآن کے ضائع ہونے کا باعث ہوگا، اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کچھ تراجم اب بھی تو ایسے موجود ہیں جو اغلاط سے پُر ہیں اور قرآن کے متن کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں؟ اس لئے کہ اب اگر ان تراجم میں کچھ اختلاف ہے تو اصل بھی سامنے ہے، اس کو سب نسخوں میں متحد پاتے ہیں تو اختلاف کا خیال اصل تک نہیں پہنچتا اور جب ترجمے ہی ترجمے رہ جائیں گے اور اصل نظروں سے غائب ہوگا تو اس وقت یہ اختلاف کلام اللہ کی طرف منسوب ہوگا اور پھر کچھ عرصے بعد یہ گمان ہونے لگے گا کہ اصل حکم ہی مختلف ہے، اس سے اعتقاد میں خرابی واقع ہوگی اور عمل پر یہ اثر پڑے گا کہ ترجموں اور کیسٹوں کو لے کر آپس میں لڑیں گے، اور اصل کو دیکھنے کی توفیق نہ ہوگی۔ نیز اس طریقہ کار سے اہل زیغ خوب فائدہ اٹھائیں گے اور بہت آسانی سے غلط تراجم اور تفاسیر کا موقع ملے گا، کیونکہ ہر دیکھنے اور سننے والا حافظ نہیں اور اصل کی طرف رجوع کرنا ہر وقت آسان نہیں۔ نیز ایک غلط رواج یہ چل نکلے گا کہ لوگ صرف تراجم اور کیسٹوں کے پڑھنے اور سننے پر اکتفا کرلیا کریں گے اور اصل قرآن سے بے تعلق اور اجنبی ہو جائیں گے اور اس کی تلاوت کا اہتمام آہستہ آہستہ ختم ہو کر رہ جائے گا نیز یہ طریقہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کا ایجاد کردہ ہے اور مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ طریق مروج ہو گیا تو جس طرح یہود ونصاریٰ اپنی اصل کتابوں کی حفاظت نہ کر سکے تھے مسلمان بھی اپنی اصل کتاب گنوا بیٹھیں گے جبکہ اصل کی حفاظت فرض ہے اور اس میں خلل ڈالنا حرام اور ناجائز ہے۔ نیز خواتین کی آواز میں ترجمہ و تفسیر کی اشاعت بھی ممنوع اور حرام ہے کہ ہر کس وناکس اس کو سنے گا اور یہ مفاسد عظیمہ کا موجب ہے۔ لہٰذا مذکورہ ترجمے کا بقیمت لینا اس کو (کیسٹ یا ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ) سننا

اور اس کی اشاعت سب ناجائز ہے۔ اس کی جگہ کسی محقق عالم کے اصل کے ساتھ ترجمہ و تفسیر پر مشتمل کیسٹ سنیں جائیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

کیا ایک ہی مسلک کی اتباع ضروری ہے؟

سوال: کیا ایک ہی مسلک کی اتباع ضروری ہے یا جس کی دل چاہے، اختیار کر لیا کریں؟

جواب: عامی شخص کے لئے کسی متعین "امام" کی اتباع ضروری ہے۔ دین کے مسائل دو طرح کے ہیں ایک وہ جو آنحضرت ﷺ سے واضح طور پر منقول چلے آ رہے ہیں اور جن کو ہر شخص جانتا ہے کہ دین کا مسئلہ یہ ہے اس کے بارے میں کسی مسلمان کو نہ کسی عالم کے پاس جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ کوئی جاتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا فرض ہونا کہ سب کو معلوم ہے۔ دوسرے وہ مسائل ہیں جن میں اہل علم کی طرف رجوع کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور وہ عامی لوگوں کی ذہنی سطح سے اونچے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں دو صورتیں ممکن ہیں ایک تو یہ کہ ہم خود قرآن و حدیث کا مطالعہ شروع کر دیں اور ہماری اپنی عقل و فہم میں جو بات آئے اسے "دین" سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ جو حضرات قرآن و سنت کے ماہر ہیں ان سے رجوع کریں اور انہوں نے اپنی مہارت، طویل تجربہ اور خداداد بصیرت سے قرآن و حدیث میں غور کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا اس پر اعتماد کریں۔ پہلی صورت خود رائی کی ہے۔ اور دوسری صورت کو تقلید کہا جاتا ہے۔ جو عین تقاضائے عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ ماہرین شریعت کی تحقیقات سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک ایک مسئلہ کے لئے قرآن و حدیث میں غور کرنے والے شخص کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص بہت سی پیچیدہ بیماریوں میں مبتلا ہو جائے اور ماہرین فن سے رجوع کرنے کو بھی اپنی کسر شان سمجھے اور اس مشکل کا حل وہ یہ تلاش کرے کہ طب کی مستند اور اچھی اچھی کتابیں منگوا کر ان کا مطالعہ شروع کر دے اور پھر اپنے حاصل مطالعہ کا تجربہ خود اپنی ذات پر کرنے لگے۔ تو توقع ہے کہ اول تو کوئی عقل مند ایسی حرکت کرے گا نہیں اور اگر کوئی شخص واقعی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ وہ ماہرین فن سے رجوع کیے بغیر اپنے پیچیدہ امراض کا علاج اپنے مطالعہ کے زور سے کر سکتا ہے تو اسے صحت کی دولت تو

نصیب نہیں ہوگی، البتہ اسے اپنے کفن دفن کا انتظام پہلے سے کر رکھنا چاہئے، پس جس طرح طب میں خودرائی آدمی کو قبر میں پہنچا کر چھوڑتی ہے اسی طرح دین میں خودرائی آدمی کو گمراہی اور زندقہ کے غار میں پہنچا کر آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے سامنے جتنے گمراہ اور ملحد فرقے ہوئے ان سب نے اپنی مشق کا آغاز اسی خودرائی اور ترک تقلید سے کیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چوتھی صدی سے پہلے تک ہوتا یہ تھا کہ جس شخص کو مسئلے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی وہ کسی بھی عالم سے مسئلہ پوچھ لیتا، اور اس پر عمل کرتا، لیکن چوتھی صدی کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے امت کو ائمہ اربعہ کی اقتداء پر جمع کر دیا، اس زمانے میں یہی خیر کی بات تھی، اس لئے کہ اب لوگوں میں دیانت وتقویٰ کی کمی آگئی تھی، اگر متعین امام کی تقلید کی پابندی نہ ہوتی تو ہر شخص اپنی پسند کے مسائل چن چن کر ان پر عمل کیا کرتا اور دین ایک کھلونا بن کر رہ جاتا۔ پس خودرائی کا یک ہی علاج تھا کہ نفس کو کسی ماہر شریعت کے فتویٰ پر عمل کرنے کا پابند کیا جائے اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے غیر مقلدین حضرات کی جانب سے یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں فقہ نہ بنی اور تقلید کا رواج بہت صدیوں بعد ہوا اس لئے وہ "بدعت" ہے یہ سراسر جہالت اور غلطی پر مبنی ہے، اس لئے کہ اول تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ غیر مقلدین کے سوا جن کا وجود تیرھویں صدی میں بھی نہیں تھا۔ باقی پوری امت محمدیہ گمراہ ہوگئی نعوذ باللہ اور یہ ٹھیک وہی نظریہ ہے جو شیعہ مذہب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں پیش کرتا ہے اور چوں کہ اسلام قیامت تک کے لئے آیا ہے۔ اس لئے پوری امت کا ایک لحہ کے لئے بھی گمراہی پر متفق ہونا باطل ہے۔ دوسرے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی یہ دستور تھا کہ ناواقف اور عامی لوگ اہل علم سے مسائل پوچھتے اور ان کے فتوے پر بغیر طلب دلیل عمل کرتے تھے اور اسی کو تقلید کہا جاتا ہے گویا "تقلید" کا لفظ اس وقت اگرچہ استعمال نہیں ہوتا تھا مگر تقلید کے معنی پر لوگ اس وقت بھی عمل کرتے تھے۔ سو آپ اس کا نام اب بھی تقلید نہ رکھیے اقتداو اتباع رکھ لیجئے۔ تیسرے فرض کیجئے کہ اس وقت تقلید کا رواج نہ تھا تب بھی اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ دین اور شریعت پر چلنا فرض ہے۔ اور جو شخص معین امام کی تقلید کے بغیر شریعت پر چلنے کی کوشش کرے گا وہ کبھی نفس وشیطان کے مکر سے محفوظ نہیں رہ

سکتا چنانچہ مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم ترک تقلید کا ماتم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ’’پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفروارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں۔ مگر دین داروں کے لئے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔[1]

گروہ اہل حدیث میں سے جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جاتے ہیں‘‘ (اشاعۃ السنہ نمبر ۴ جلد نمبر ۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء) اس لئے بغیر خطرات کے دین پر چلنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے کسی ایک ماہر شریعت امام کی پیروی۔ معروضی طور پر دیکھا جائے تو غیر مقلدین حضرات بھی معدودے چند مسائل کے سوا۔ اہل ظاہر محدثین کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ اس لئے گو انہیں ’’تقلید‘‘ کے لفظ سے انکار ہے مگر غیر شعوری طور پر ان کو بھی اس سے چارہ نہیں اس لئے کہ دین کوئی عقلی ایجاد نہیں بلکہ منقولات کا نام ہے اور منقولات میں ہر بعد میں آنے والے طبقے کو اپنے سے پہلے طبقے کے نقش قدم پر چلنا لازم ہے۔ یہ فطری چیز ہے جس کے بغیر شریعت پر عمل ممکن نہیں (اختلاف امت اور صراط مستقیم ج۱)

ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی کی تعلیمی ڈگری کی حقیقت

سوال: ڈاکٹر فرحت نسیم کے طریقہ کار کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ نیز انہوں نے امریکہ سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔ امریکہ سے اسلامیات میں ڈاکٹریٹ کی کیا حیثیت ہے۔ واضح فرمائیں

جواب: ان کے طریقہ کار میں چونکہ شرعی حدود کی پابندی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ قطعاً درست نہیں ہے۔ عموماً مغرب سے تعلیم حاصل کرنے والے مستشرقین کے افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور جدت پسندی کی آڑ میں اسلام کے مسلمہ احکام میں تحریف اور شکوک وشبہات کے

---

[1] تقلید کی حقیقت اور مدلل طریقہ پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ’’تقلید کی شرعی حیثیت‘‘ از جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مرتکب ہوتے ہیں۔ اور یہی مغربی تعلیم گاہوں کا مقصد ہے۔ اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ایسے اداروں اور مجلسوں کا مکمل بائیکاٹ کرے، اور دوسروں کو بھی ان سے بچنے کی تلقین کرے۔

الہدیٰ کے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنا اور ان کی کتابوں کا مطالعہ

سوال: اس کورس میں شرکت کرنا دوسرے لوگوں کو دعوت دینا، اور ان کی کتب پڑھنا کیسا ہے وضاحت فرمائیں؟

جواب: اس کورس میں شرکت کرنا۔ اس کی دعوت اور نشر و اشاعت میں مددگار بننا حرام اور ناجائز ہے (ماخوذ از "ماہنامہ الفاروق" کراچی محرم ۱۴۲۰ھ مئی ۱۹۹۹ء)

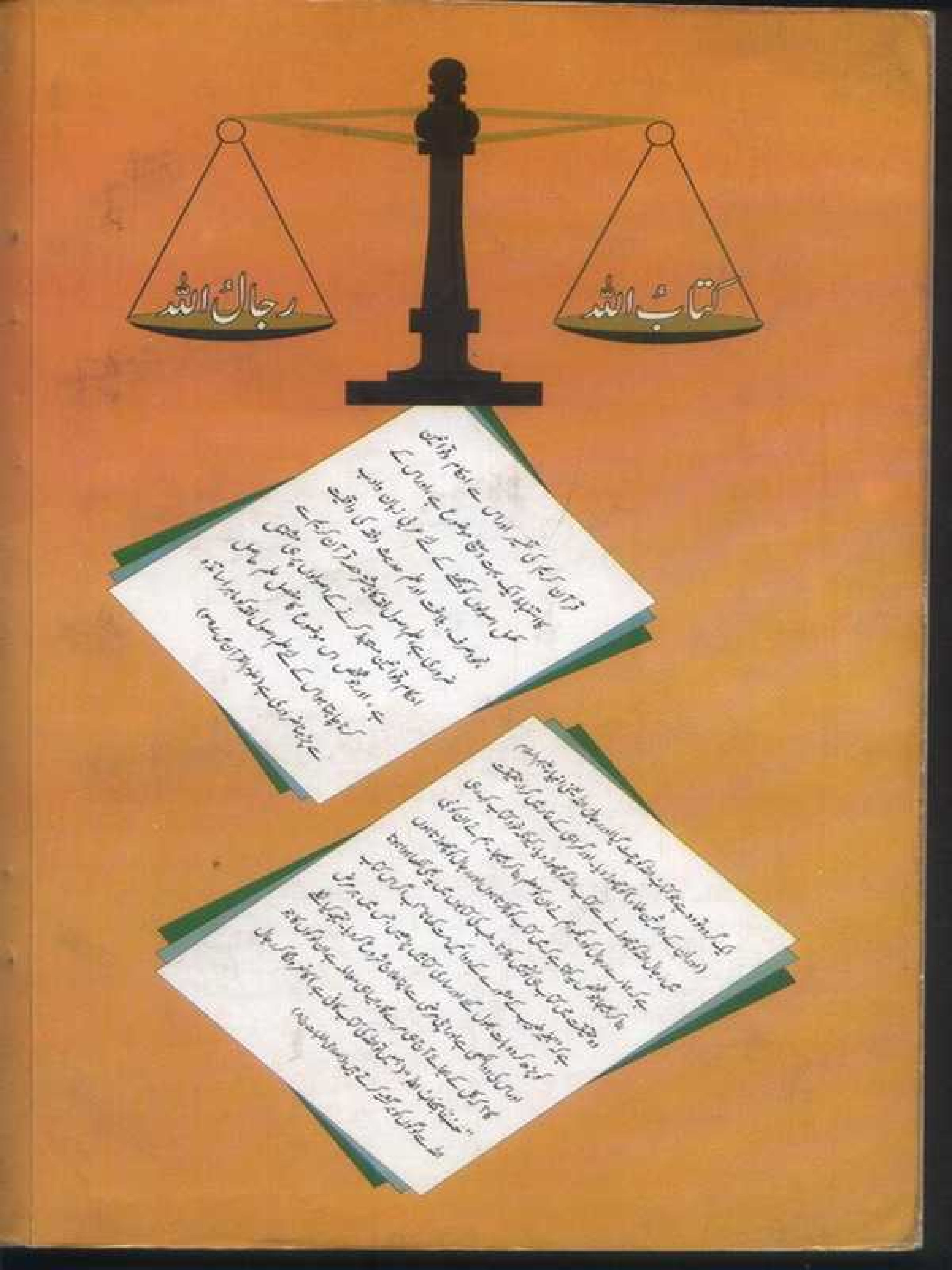
الہدیٰ کے کورسز میں شمولیت جائز نہیں

(ماہنامہ "البلاغ" کا تبصرہ)

کچھ عرصے سے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں الہدیٰ انٹرنیشنل کے تحت متمول گھرانوں کی خواتین کو مختلف کورسز کروائے جا رہے ہیں اور یہ دعویٰ ہے کہ مقصد اسلامی تعلیمات کو اجاگر کرنا ہے مگر اس ادارے کی اب تک جو کارکردگی سامنے آئی ہے وہ بڑی حد تک خطرناک اور مایوس کن ہے کیونکہ اس کی وجہ سے دین میں پختگی اور اسلام کی ہدایات پر عمل کی بجائے اباحیت، تجدد پسندی، خودرائی اور سلفِ صالحین سے بدگمانی و بیزاری جیسے فاسد خیالات جڑ پکڑ رہے ہیں نیز جو مسائل بتائے جاتے ہیں وہ بھی عموماً اصول شرعیہ کے مطابق نہیں ہوتے، لہٰذا خواتین کا ان کورسز میں شریک ہونا شرعاً درست نہیں (ماہنامہ "البلاغ" کراچی، ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ جنوری 2003ء بضمن نقد و تبصرہ صفحہ ۶۲)

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ وعافنا من جمیع فتن الدنیا والاخرۃ

محمد ابوصفوان۔ ۱۶ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ 12 نومبر 2003ء


رجال الله
کتاب الله